محنت اور شہادت کی تاریخ
ہفت روزہ
معیار
سلال ڈیم
کے فوائد
پیچیدہ معاہدے کا واویلا کیوں
پاک چین دوستی
اور چیئرمین بھٹو
قیمت ۳ روپے

زیر اہتمام : یونائیٹڈ پبلی کیشنز لمیٹڈ

جلد ۲ شمارہ ۱۸ ۲۹ اپریل تا ۶ مئی ۱۹۷۸ء

خط و کتابت کے وقت لفافے پر متعلقہ شعبے کا نام ضرور درج کیجئے

ایڈیٹر
محمود شام
ایگزیکٹو ایڈیٹر
اشرف شاد

شعبہ ادارت
عالمی امور رفیع احمد فدائی
ملکی امور مجاہد بریلوی
شہناز احمد

نمائندے
حیدر آباد حسن کامران
اسلام آباد ضمیر نفیس
لاہور خیکاف
پشاور ثناء اللہ
مظفر آباد جی ایم مفتی
ملتان قسور سعید مرزا
فیصل آباد خالد عباس سیف
کوئٹہ چشتی مجاہد

قیمت ۳ روپے

پاکستان میں بذریعہ معمولی ڈاک

قیمت فی کاپی ـــــ ۳ روپے

سالانہ	۵۲ شمارے	۱۴۰ روپے
ششماہی	۲۶ شمارے	۷۵ روپے

بذریعہ ہوائی ڈاک

انگلستان، ڈنمارک، ناروے، فرانس، مغربی جرمنی، سویڈن، اٹلی، سوئزرلینڈ، اسپین (یورپ) اور ایشیا میں:- جاپان، ملائیشیا، سنگاپور، ہانگ کانگ، چین،

سالانہ	۵۲ شمارے	۳۸۰ روپے
ششماہی	۲۶ شمارے	۱۹۵ روپے

ایران، عراق، سعودی عرب، کویت، سری لنکا، نیپال،

سالانہ	۵۲ شمارے	۲۳۵ روپے
ششماہی	۲۶ شمارے	۱۲۳ روپے

ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا،

سالانہ	۵۲ شمارے	۶۱۵ روپے
ششماہی	۲۶ شمارے	۳۱۵ روپے

آسٹریلیا، نیوزی لینڈ،

سالانہ	۵۲ شمارے	۵۲۵ روپے
ششماہی	۲۶ شمارے	۲۸۰ روپے

دوبئی، ابوظہبی، افغانستان، بحرین، مسقط، قطر، شارجہ،

سالانہ	۵۲ شمارے	۲۶۵ روپے
ششماہی	۲۶ شمارے	۱۳۸ روپے

عالمی امور، ملکی امور
معیشت، کھیل، تعلیم،
فلم، میڈیکل، دفاع،

خط و کتابت کے لئے پوسٹ بکس ۳۱۹۵ کراچی ۲۹ فون ۴۳۵۶۷۳

ایڈیٹر پبلشر محمود شام، مطبع یونائیٹڈ پبلی کیشنز (پرنٹنگ ڈویژن) بلاک ۲ کراچی، مقام اشاعت ۱۹۰-۱-سی، بلاک ۲، پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹

خطوط

کوثر نیازی نے ٹنڈو اللہ یار کا دورہ نہیں کیا

معیار اپنے حقیقت پسندانہ تبصروں اور درست خبروں کی وجہ سے صحافتی حلقوں میں ایک سنجیدہ مقام رکھتا ہے ۔ لیکن گزشتہ سے پیوستہ شمارے میں آپ نہ جانے ایک سہو کا شکار کیوں ہو گئے ۔ مولانا کوثر نیازی جو کچھ کر رہے ہیں ۔ اس پر تبصرے کا حق آپ کو حاصل ہے ، لیکن آپ ان سے غلط واقعات منسوب کر کے اپنے اعتبار کو نقصان پہنچا رہے ہیں اس سے ان حضرات کی شہرت کو بھی نقصان پہنچا ہے ، جن سے آپ کے نمائندے نے مولانا کوثر نیازی کی ٹنڈو اللہ یار میں ملاقات کروائی ہے ۔ پھر جتوئی صاحب بھی اس میں بلاوجہ سوٹ کیے گئے ہیں ۔ جتوئی صاحب زیادہ فعال نہیں ہیں ، لیکن وہ اتنے کم ظرف بھی نہیں ہیں کہ جب ان کے قائد کو سزائے موت دی جا رہی ہو تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔ آپ اس خبر کی تردید کر کے اپنا ریکارڈ درست کریں ۔

(ایک واقف حال ۔ حیدرآباد)

"اصلی مفکر اسلام"

"معیار" ۱۵ تا ۲۰ نظر سے گذرا ۔ اس کے صفحہ نمبر ۱ پر "اصلی مفکر اسلام" کون ؟ ایک سوالیہ نشان اور دو تصویریں بھی دیکھنے میں آئیں ۔ اگر ان دونوں حضرات کے سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے مفاد پرست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا اس کا اظہار بارہا انکی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بھی ہوتا رہا ہے ۔ پھر یہ دونوں حضرات بھی ایک دوسرے کے خلاف فتوے صادر کر چکے ہیں ۔ انہیں فتووں اور فیصلوں کو دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کون ہیں اور کیا ہیں ۔

(مرزا فضل حسین مغل ۔ جہلم)

"معیار" اب معیاری نہیں رہا

آپ کا پرچہ جب سے نکلا ہے ، باقاعدگی سے پڑھتا ہوں ۔ یہ انتہائی معیاری ، سنجیدہ اور متوازن پالیسی کا حامل جریدہ تھا ، لیکن ۵ جولائی کے بعد سے اس کی سنجیدگی ، توازن اور معیار ختم ہو گیا ہے آپ کا جھکاؤ ایک سیاسی پارٹی کے حق میں بہت زیادہ ہو گیا ہے ۔ حق گوئی بے باکی کی اصطلاحات اپنی جگہ ہیں ، لیکن آپ کے ہاں مختلف شعبوں کے ذریعہ مختلف دلچسپی رکھنے والوں کی جو تسکین ہوتی تھی وہ معیار کا خاصہ تھی ۔ اور آپ نے اب وہی سلسلے ختم کر دیئے ہیں ۔

اب آپ ہی بتائیے کہ جو قارئین عالمی تبدیلیوں سے باخبر رہنے کے لئے "معیار" پڑھتے تھے ، عالمی واقعات کی مسلسل عدم اشاعت کے باعث انکی لاعلمی کی ذمہ داری آپ کے سوا کس پر عاید ہو گی ۔

آپ سیاسی طور پر ممکن ہے اپنا حق ادا کر رہے ہوں ، لیکن "صحافت" کا حق آپ ادا نہیں کر رہے نہ جانے آپ کو یہ خیال کیوں ہو گیا ہے کہ آپ کے پرچے کے قارئین صرف پیپلز پارٹی والے ہی ہیں ۔

(سلیم ارشد ۔ لاهور)

عوام اس وقت ووٹ دیں تو مثبت نتائج کیوں برآمد نہیں ہونگے

فوجی انتظامیہ کے **عبوری** سیاسی امور کے مشیر نے کوئٹہ پہنچ کر یہ مژدہ سنایا ہے کہ تمام سیاسی پارٹیاں قومی حکومت کے قیام پر متفق ہوگئی ہیں وہ بلوچ رہنماؤں سے ملاقات کے لئے کوئٹہ پہنچے ہیں ۷۰ سال سے زائد عمر کے سابق کانگریسی رہنما مولا بخش سومرو۔ انتہائی نازک مشن پر ہیں بلوچ رہنماؤں کے عدم اتفاق کے باعث ہی تو این ڈی پی نے ایک حقیقت پسندانہ موقف اختیار کیا ہے جہاں این ڈی پی نے صحیح موقف اختیار کیا اسی وقت وہ اتحاد کے ناقوس نوائے وقت کی نظروں میں سیکولر بن گئی۔ دو تین اداریے، دو تین شذرے، سرراہے، اور وقار انبالوی کے قطعات کی بوچھاڑ این ڈی پی پر شروع ہوگئی مشیروں کے تقرر اور اس کے لبعد قومی حکومت کے قیام کی ضرورت اس بات کی دلالت کررہی ہیں کہ صرف فوجی انتظامیہ ملکی معاملات کو بھرپور انداز سے نہیں چلا پارہی ہے۔ وہ اس میں شہریوں کی شرکت چاہتی ہے۔ یہ صورت حال اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ عبوری فوجی انتظامیہ جس مقصد کے ساتھ منتخب شہری سیاسی حکومت کو برطرف کرکے اقتدار میں آئی تھی وہ مقصد بوجوہ پس پشت ڈالا گیا ہے۔ سپریم کورٹ میں جتنی مدت بعد انتخابات کروانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ مدت بھی اس ہفتے پوری ہورہی ہے۔

صورت حال اس وقت الجھی ہوئی ہے۔ پہلے تو محدود مقصد تھا۔ خانہ جنگی کے خطرے کو روک کر پرامن فضا میں انتخابات کروانا۔ اس کے بعد اب رفتہ رفتہ مسئلہ گزشتہ ۱/۲ ۵ سال میں پیدا شدہ تمام برائیوں کو دور کرنا ہے۔ اس کے لئے وقت بھی درکار ہے اور سیاسی قوت بھی۔ محدود مقصد تک جب بات تھی تو فضا سازگار تھی اب فضا میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں ہیں۔

اپنے سیاسی منظرنامے پر نظر ڈالئے۔ یکم مارچ کو ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا یکم مارچ کو ہونے والا اجلاس بھی اس پابندی کی زد میں آگیا جس میں مستقبل کے لئے کئی فیصلے ہونا تھے۔ نااہلی کے اعلانات کے پیش نظر پارٹی کے نئے عہدے دار مقرر ہونے تھے۔ مولانا کوثر نیازی کی علیحدگی پر بات ہونا تھی۔ لیکن کچھ نہ ہوسکا۔ پھر پیپلز پارٹی کی قیادت بتدریج نظر بند کی جاتی رہی اس کے بعد مولانا کوثر نیازی نے پیپلز پارٹی میں توڑ پھوڑ کا عمل شروع کیا۔ پارٹی کے چیئرمین ستمبر سے جیل میں ہیں۔ اب وہ لاہور ہائی کورٹ سے سزائے موت ملنے کے بعد موت کی کال کوٹھری میں مقید ہیں۔ جہاں مچھروں اور مکھیوں کی بہتات ہے۔ پہلے پہل تو انہیں کوئی پنکھا بھی نہیں دیا گیا تھا کوٹھڑی میں ہی رکھ کر بیت الخلاء بنایا گیا تھا۔ سپریم کورٹ میں اپیل کے بعد سے ان کی سہولتوں میں کچھ اضافہ ہوا ہے بیت الخلأ کا الگ انتظام کیا گیا ہے پنکھا بھی دیا گیا ہے لیکن بلب ساری رات روشن رہتا ہے۔ کوٹھڑی سے صرف آدھ گھنٹے کے لئے نکالا جاتا ہے۔ اخبار ریڈیو کسی قسم کی سہولت نہیں ہے۔ باہر کی خبریں انہیں صرف اپنی بیگم بیٹی اور وکلاء سے ملاقات کے وقت ہی ملتی ہیں۔ کسی ملک کے پہلے منتخب صدر اور پہلے منتخب وزیراعظم کو اور ۲۰ سال سے ملک کی سیاست کی مرکزی شخصیت کو ایسے کٹھن حالات سے کم ہی گزرنا پڑا ہوگا۔

پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو۔ ۷۱ جی گلبرگ میں ۱۲ مارچ سے نظر بند ہیں حال ہی میں ان کی نظربندی میں مزید توسیع کردی گئی ہے۔ انہیں اپنے وکیل کے علاوہ کسی سے ملنے کی اجازت نہیں ہے انہیں یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ اب جبکہ قوم کو پارٹی کے کارکنوں کو ان کی فعال قیادت کی ضرورت ہے۔ اس وقت نہ صرف سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں ہیں۔ وہ گھر کی چاردیواری میں مقید ہیں پارٹی کی باقی قیادت بھی مختلف الزامات کے تحت گرفتار کی جا رہی ہے۔ پارٹی کے غداروں کو موقع ملا ہوا ہے پارٹی کے لبعض رہنماؤں اور کارکنوں کو لالچ دے کر ڈورے ڈال کر اپنے ساتھ ملائیں۔

پارٹی کی ایک اور اہم شخصیت آنسہ بے نظیر بھٹو ۱۸۔ مارچ کی صبح سے ۷۰ کلفٹن میں نظر بند ہیں ان کی نظربندی میں بھی توسیع کردی گئی ہے۔ وہ پارٹی کے نوجوان عنصر کی لیڈر بن رہی تھیں سندھ کے دورے نے ان کی مقبولیت ثابت کردی تھی۔ وہ بھی اس وقت پارٹی کو کسی قسم کی ہدایت دینے سے قاصر ہیں پارٹی کے دوسرے اہم رہنما شیخ رشید ملک معراج خالد حفیظ پیرزادہ۔ ممتاز بھٹو سید قائم علی شاہ طاہر محمد خان اپنے ہزاروں کارکن ساتھیوں کے ہمراہ جیلوں میں ہیں۔ یہ پارٹی صف اوّل کی قیادت سے بالکل محروم ہے۔ بلوچستان کے صدر مولانا کوثر نیازی کے ہم نوا ہیں۔ اس وقت پورے پاکستان میں صرف غلام مصطفےٰ اجتوئی ہیں۔ جو سندھ پارٹی کے قائم مقام

قربانیاں انتخابات کے لئے
منزل ــــ قومی حکومت

صدر بھی ہیں سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ بھی چیرمین بھٹو کے وفادار دوست بھی۔ وہ پارٹی کی ایک واحد اہم شخصیت ہیں جو جیل سے باہر بھی ہیں۔ اور جو ابھی تک پارٹی کے غدار گروپ سے باقاعدہ وابستہ نہیں ہوئے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی کے لئے ان کے دل میں نرم گوشہ ہے۔ مولانا ان کے ہاں ٹھہرے بھی ہیں لیکن انہوں نے مولانا کے ساتھ الیکشن سیل سے ملنے سے انکار کیا ہے۔ اور وہ ابھی تک چیرمین بھٹو سے وفادار ہیں۔ ان کے خاندان کا احترام کرتے ہیں۔ اس وقت ان پر پارٹی کی طرف سے بہت بڑی ذمہ داری پڑی ہوئی ہے۔

یہ تھا ان دو سیاسی قوتوں میں سے ایک کی صورت حال ہے۔ جن کے درمیان مذاکرات کا احترام کرتے ہوئے اکتوبر میں الیکشن کا وعدہ کیا گیا تھا، اور اب قومی حکومت تشکیل دیتے وقت بھی ان مذاکرات کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ ان میں سپریم کونسل کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ سپریم کونسل صرف انتخابات کے محدود عرصے کے لئے قائم کی جانی تھی۔ لیکن خوئے بدرا بہانہ بسیار

قومی اتحاد جو ۱۹۷۷ء کے مارچ اپریل مئی جون میں ہر قیمت پر صرف اور صرف انتخابات مانگتا تھا ملک میں خالص جمہوریت کا طلب گار تھا اب وہ انتخابات کا نام بھی نہیں لیتا۔ تحریک استقلال اس سے الگ ہو چکی ہے جمعیت علمائے پاکستان پر تول رہی ہے اب قومی اتحاد سے نجات حاصل کرنے میں این ڈی پی کی باری ہے۔ قومی حکومت اصل مسئلہ جماعت اسلامی مسلم لیگ اور جمعیت علمائے اسلام کا رہ گیا ہے۔ ان میں سے ایک کو پاکستان کی مادر جماعت ہونے کا دعویٰ ہے۔ دوسری دو قیام پاکستان کی مخالف جماعتیں ہیں۔ اس اجتماع ضدین کا نام قومی حکومت کیسے ہوگا۔ اس اجتماع ضدین میں مولانا کوثر نیازی کا گروپ بھی شامل کیا جاتا ہے

قومی حکومت کی اصطلاح اتنی گمراہ کن ہے بھٹو صاحب کی منتخب حکومت کے زمانے میں بھی اپوزیشن یہ مطالبہ کیا کرتی تھی۔ ایسا لگتا ہے جیسے انتخابات کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت۔ قومی نہیں ہوتی ہے۔ قوم کی حمایت کے بغیر یا قوم سے کوئی مینڈیٹ لئے بغیر بننے والی حکومت قومی ہو سکتی ہے،

قومی حکومت کے عناصر ترکیبی میں سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ فوجی ارکان بھی شامل کئے جاتے کی چیزیں ہیں۔ اس قومی حکومت کا مقصد کیا ہوگا اگر تو ملکی معاملات اس حکومت کے تحت چلانا مقصود ہیں۔ وہ تو شاید نہ ہو سکے، کیونکہ ان وزراء کا عوام سے کوئی رابطہ نہیں ہوگا، عوام کو ان پر کوئی اعتماد نہیں ہوگا کیونکہ وہ عوام کے ذریعے منتخب نہیں ہوئے ہیں۔ عوام کا ذہنی رجحان صرف اور صرف پارلیمانی نظام کے حق میں ہے کیونکہ وہ اس کے لئے برسوں سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ قربانیاں دے رہے ہیں۔ دوبارہ انتخابات کے لئے قومی اتحاد نے سینکڑوں افراد شہید کروائے۔ مسٹر بھٹو نے شرعی نظام نافذ کرنا چاہا تو کہا کہ اصل مسئلہ انتخابات ہیں۔ اب سارے طریقے انتخابات سے فرار کے ڈھونڈے جا رہے ہیں۔ قومی اتحاد اس میں باقاعدہ شریک ہے۔ عوام کی یہ سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ اس وقت وہ اگر ووٹ دیں گے تو ان کے مثبت نتائج کیوں برآمد نہیں ہوں گے اور مثبت نتائج ہیں کیا؟

جماعت اسلامی مسلم لیگ جمعیت علمائے اسلام۔ فوجی حکومت کو مزید پیچیدگیوں میں الجھا رہی ہیں۔ صرف اس لئے کہ انہیں انتخابات کے ذریعے برسر اقتدار آنے کا کبھی کوئی موقع نہیں مل سکے گا۔

فوجی حکومت کو تو صرف ملک اور قوم کے مفاد کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ملک میں بے یقینی کی اذیت دہ فضا ہے۔ مہنگائی ہے۔ بین الاقوامی برادری میں پاکستان کا اتنا فعال کردار نہیں رہا ہے۔

حالات پر فوجی حکومت کی گرفت مضبوط ہے مگر اس میں یکسانیت نہیں ہے۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کے تحت ایک پارٹی کے تو بقول جنرل صاحب "ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے ہیں"۔ لیکن دوسری پارٹیاں اپنے اپنے اجلاس کر رہی ہیں۔ قومی اتحاد جمعیت علمائے اسلام جماعت اسلامی کے انتظامی اجلاس ہو رہے ہیں مولانا کوثر نیازی سابق ارکان اسمبلی سے ملتے ہیں پابندیوں میں اس امتیاز سے عام ذہنوں میں جانبداری کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جن سیاسی پارٹیوں پر ملنے جلنے کی پابندی نہیں ہے پریس کا نفرنسیں کر سکتی ہیں۔ وہ ان معاملات پر تو زبان کھولتے ہیں، جو حکومت چاہتی ہے۔ لیکن عوام کے مسائل پر ان کا نقطہ نظر سننے میں نہیں آتا۔ جہاں تک حکومت کی طرف سے ان مسائل پر اعلانات کا تعلق ہے۔ حکومت کے ذرائع ابلاغ کا اعتبار پہلی حکومتوں کے درمیان ہی اٹھ چکا ہے پھر یہ حکومت عبوری ہے۔ اس کی میعاد کسی کو معلوم نہیں ہے اس لئے اس کے اقدامات اور اعلانات کی دیرپا حیثیت نہیں سمجھی جاتی۔

ان حالات میں تمام عوام دوست سیاسی جماعتوں کے درمیان اتفاق رائے ہی ناگزیر ہے آپس میں کوئی اختلافات ہیں تو ان کو عظیم تر مفادات کے لئے ختم کیا جا سکتا ہے۔ صرف ایک شخص کے ہونے نہ ہونے کو ذہن میں رکھ کر مستقبل کے سیاسی نقشے بنانا ایک تو مفروضے پر مبنی ہے۔ دوسرے بہت ہی تنگ نظری ہے سیاسی حکمت عملی ملک کی مجموعی صورت حال، مسائل، بین الاقوامی دباؤ اور کشش سامنے رکھ کر مرتب کی جاتی ہے نہ کہ اسے کسی سیاسی حریف کی جسمانی موت کے ساتھ منسلک کر کے ترتیب دیا جاتا ہے۔

اشرف شاد

قومی حکومت بننے سے پہلے ٹوٹ گئی

قومی اتحاد نے ملک کی قیادت کرنے کے سلسلے میں اپنی نااہلی کا ثبوت فراہم کر دیا

قومی حکومت اب پیچھے کی طرف سرکتے سرکتے سیاسی حکومت اور مخلوط حکومت کی اصطلاحوں تک پہنچ گئی ہے اس طرح قومی حکومت پہلی حکومت ہے جو بننے سے پہلے ہی ٹوٹ گئی۔ این ڈی پی نے اس میں جو شگاف ڈالا ہے اس کے بعد اب اس تصور کے ڈوب جانے کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہیں رہی ہے۔

مجوزہ قومی حکومت کے ذریعے اور کچھ ہوا نہ ہوا، کم از کم قومی اتحاد ایک ٹیسٹ کیس سے دوچار ہو کر اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا ہے۔ اس تجویز نے اس میں شامل کرسی کی طمع اور لالچ رکھنے والی جماعتوں میں بھی توڑ پھوڑ مچادی ہے ایک اطلاع کے مطابق مجوزہ حکومت میں شمولیت کے لئے صرف مسلم لیگ نے ۲۵۔ افراد کی فہرست تیار کی تھی۔ مسلم لیگ کے شیر بر شیر چودھری ظہور الٰہی تقسیم کے اس نظام پر پیر پگاڑو صاحب سے بڑے شاکی معلوم ہوتے ہیں۔ اس طرح مسلم لیگ میں ملک قاسم گروپ کے خلاف پیر پگاڑو کے گروپ کو جو طاقت حاصل تھی اس کا توازن بھی ڈانواڈول نظر آتا ہے۔

اس کے برخلاف این ڈی پی نے مجوزہ قومی حکومت میں شمولیت سے انکار کر کے اپنے اندرونی انتشار پر بڑی حد تک قابو پالیا ہے اور اب اس بات کے امکانات قوی نظر آتے ہیں کہ وہ بلوچ سردار جو قومی اتحاد میں این ڈی پی کی شمولیت کی وجہ سے اسے موجودہ حکومت کی بی ٹیم سمجھ کر اس میں شامل ہونے سے گریزاں تھے اب اصولی موقف اختیار کرنے پر این ڈی پی کو نئی طاقت بہم پہنچائیں۔ اسی طرح این ڈی پی میں بائیں بازو کا وہ گروپ جو قومی اتحاد میں دائیں بازو کی کٹر جماعتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بڑی تکلیف دہ صورتحال سے دوچار تھا اب قدرے اطمینان کا سانس لے سکے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سرحد اور بلوچستان میں این ڈی پی کو مفتی محمود کی جمعیت علمائے اسلام کی دیرینہ سیاسی رفاقت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

جماعت اسلامی جو اپنے کڑے پارٹی ڈسپلن کی وجہ سے اندرونی اختلافات کو اوپر آنے سے روکنے میں کامیاب ہو جاتی ہے قومی حکومت کے سوال پر اختلاف رائے کا شکار ہے۔ ایک طرف اس کا ایک گروپ قومی حکومت کے تصور کو بے اصولی حکمتِ عملی کے اعتبار سے غلط سمجھتا ہے تو دوسرا گروپ اس میں شمولیت کے لئے بڑا بیتاب بھی نظر آتا ہے پارلیمانی محاذ پر جماعتِ اسلامی کے لیڈر پروفیسر غفور قومی حکومت کے معاملے کو صرف "ابتدائی مرحلے میں ہے" کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ پوری قوم ایک ماہ سے زیادہ عرصے سے اس مسئلے پر "انتظار فرمایئے" کی تفسیر بنی بیٹھی ہے لیکن پروفیسر صاحب کی نظر میں یہ معاملہ ابھی تک صرف "ابتدائی مرحلے میں" ہی ہے یہ مرحلے اگر اسی رفتار سے طے ہوئے تو شاید پروفیسر صاحب کے حساب سے آخری مرحلے تک پہنچتے پہنچتے سال بھر تو بیت ہی جائے گا۔

پارٹیوں کی اپنی صورت حال سے قطع نظر قومی اتحاد نے پھر ایک بار بلکہ آخری بار پھر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ قوم کی قیادت کا انبار اپنے کاندھوں پر نہیں سنبھال سکتی۔ انتخابات میں کوئی کامیابی حاصل کئے بغیر صرف عبوری دور کے لئے بننے والی قومی حکومت کی تجویز نے اس میں جو نئی دراڑیں ڈالی ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر قومی اتحاد نے انتخابات کے "مثبت نتائج" کی صورت میں اقتدار حاصل کیا ہوتا تو ملاؤں میں مرغی کس طرح حرام ہوتی۔ خدا کا شکر ہے کہ قوم پر کم از کم یہ برا وقت نہیں آیا اور قومی اتحاد ایسے کسی امکان سے بہت پہلے ہی اپنے اتحاد کو رسوا کر کے اصل رنگ میں بے نقاب ہو گیا۔

ایپنک اور پی ایف یو جے کی جد وجہد کے خلاف

سازش کامیاب نہیں ہوگی

ایم احمد کی رپورٹ

اخبارات پر پابندیاں، نوٹس، صحافیوں کی گرفتاریاں، بار بار کی تنبیہیں... آزادیٔ صحافت کی ضمانت کے بعد صحافت اور آزادیٔ صحافت کے خلاف کی جانے والی کارروائیاں تو شاید ابھی نکتۂ عروج پر نہیں پہنچیں، کہ ابھی کچھ دن پیشتر دی گئی دھمکی کے مطابق چھ اخبارات کے بند ہونے کا انتظار کیا جا رہا ہے، لیکن صحافت پر اور صحافیوں پر اس ظلم و ستم کے خلاف ملک بھر کے اخبار نویسوں اور اخباری کارکنوں نے جدوجہد کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔

تیاریوں کی تکمیل کا اعلان ۲۳ اپریل کو شام کے وقت "مساوات" لاہور کے احاطے میں ایکشن کمیٹی کی طرف سے کیا گیا۔ ایپنک اور پی ایف یو جے کی مشترکہ ایکشن کمیٹی کے زیر اہتمام صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے اجلاس میں، لاہور کے تمام اخبارات کے کارکنوں کے علاوہ مزدور اور طالب علم رہنماؤں نے بھی شرکت کی اور انہیں، اخباری برادری کو اپنی حمایت کا عملی طور پر یقین دلایا۔ اجلاس میں کراچی، پنڈی، ملتان، بہاولپور اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے صحافی بھی موجود تھے۔

اجلاس سے ۴۸ گھنٹے پہلے ہی نہ صرف لاہور کے اخبارات بلکہ سرکاری حلقوں میں بھی ہلچل مچ گئی تھی، ایک طرف اخباری کارکن اجلاس کی تیاریاں کر رہے تھے، تو دوسری طرف سرکار اس اجلاس میں پیدا ہونے والی صورتحال سے نپٹنے کی "انٹیلی جنس" کا ایک وفد ایپنک اور پی ایف یو جے کے صدر منہاج برنا کے استقبال کے لئے ۲۲ اپریل کو لاہور کے ہوائی اڈے پر موجود تھا۔ اور ان کے ساتھ ساتھ مساوات کے دفتر تک آیا۔ برنا صاحب کارکنوں سے ملنے کے لئے دفتر کے اندر آ گئے اور ان کی خبر گیری کے لئے آنے والا وفد مع اپنی سائرلیس شدہ نئی جیپ کے دفتر کے باہر سڑک کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ پھر وہیں ٹکی ہو گیا اور آخری خبریں آنے تک وہیں موجود تھا۔ صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے اجلاس سے قبل ایکشن کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں حکومت کو دیئے گئے نوٹس کی میعاد ختم ہونے سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کیا گیا۔ یہ میعاد ۲۲ اپریل تک تھی اور اخباری کارکنوں کی دونوں تنظیموں کی طرف سے واضح طور پر اعلان کر دیا گیا تھا کہ اگر ۲۲ اپریل تک ان کے مطالبات کا مثبت جواب نہ دیا گیا تو عملی جدوجہد کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا مطالبات میں مساوات کی بحالی، گرفتار صحافیوں کی رہائی، دوسرے اخبارات اور جرائد کو جاری کئے گئے نوٹسوں کی واپسی، اور پانچ نکاتی منشور شامل ہیں پانچ نکاتی منشور کا تعلق صحافیوں کے مالی مسائل سے ہے مثلاً کرایہ مکان میں اضافہ وغیرہ... (اخبار میں کام کرنے والے چپراسی کو کرایہ مکان ساڑھے اٹھارہ روپے ملتا ہے)۔

ایکشن کمیٹی کے اجلاس کے دوران وفاقی حکومت کی طرف سے مذاکرات کا دعوت نامہ موصول ہوا چنانچہ اس دعوت نامے کو بھی ایجنڈے میں شامل کر لیا گیا۔ صوبائی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے مذاکرات تین دن قبل ہو چکے تھے، اور اب صرف وفاقی حکومت سے مذاکرات باقی تھے، ابھی ایکشن کمیٹی کا اجلاس جاری تھا کہ کارکنوں کے عام اجلاس کا وقت ہو گیا۔ امروز، مشرق، پاکستان ٹائمز، حیات، آزاد، غرض تقریباً تمام اخبارات کے کارکن اجلاس میں شرکت کے لئے پہنچے تھے اور صورتحال نہایت حوصلہ افزا تھی۔ ایکشن کمیٹی کی طرف سے پہلے پی ایف یو جے کے سیکرٹری جنرل نثار عثمانی نے کارکنوں سے خطاب کیا، ان کی تقریر نہایت پُر مغز اور مدلل تھی، انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ برسراقتدار طبقہ صحافیوں کو اپنی تعریف پر مجبور کرتا اور تنقید سے گھبراتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخبارات میں وقت کے حکمران کی خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں، لیکن جب وہ چلا جاتا ہے تو اس میں خرابیاں ہی خرابیاں دکھائی دیتی ہیں، یہ صورت حال پریس کے لئے بے حد شرمناک ہے، انہوں نے کہا کہ اسلام میں راہنمائی کے لئے ہمیں اپنے عظیم نبیؐ اور خلفائے راشدین کی طرف دیکھنا چاہیے کسی ایک شخص کی طرف نہیں۔ ہمارے نبیؐ اور خلفائے راشدین نے جو سنہری اصول وضع کئے ہیں انہی میں ہمارے لئے بھلائی ہے۔

نثار عثمانی نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایک گمراہ کن روایت بھی چل نکلی ہے کہ حکومت پر تنقید کو ملک اور قوم کے خلاف تنقید کہا جاتا ہے، اور اس تنقید سے بچنے کے لئے کالے قوانین استعمال کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مطالبات جائز ہیں۔ ہم حق پر ہیں اور انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی۔

جناب منہاج برنا نے کارکنوں کو مذاکرات کی پیشکش سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اخبارات کے علاوہ مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کے

خلاف کی جانے والی ظالمانہ کارروائیوں کا ذکر بھی کیا اور کہا کہ موجودہ حکومت ان کارروائیوں کے ذریعے فرنق بنتی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسا اسلام ہے کہ ایک نواب کے قتل پر پانچ ججوں کا بنچ تشکیل دے دیا جاتا ہے، لیکن ملتان میں ۱۶ مزدوروں کے قتل کی تحقیقات کے لئے بنچ تو کیا ایک جج بھی مقرر نہیں کیا جاتا۔ پٹ فیڈر میں کسانوں کے قتل عام پر انصاف مہیا نہیں کیا جاتا، خضدار میں گولی چلتی ہے، لوگ مرتے ہیں لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں، (اس پر کارکنوں کی رہائی اور مزدوروں کے قاتلوں کو پھانسی دو کے نعرے لگائے گئے) ایک سازش، ٹی وی کے کارکنوں کو اسٹیشن پر قبضہ کرنے کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا ہے، نوکریوں سے برطرف کر دیا گیا ہے، حالانکہ انہوں نے قبضہ نہیں کیا تھا، قبضہ کیا ہوتا تو وہ ٹی وی پر اس کا اعلان کرتے اور اپنے مطالبات کا ذکر کرتے۔

جناب منہاج برنا نے کہا کہ اخباری کارکنوں کی جدوجہد سچ کی جدوجہد ہے۔ اصولوں کی جدوجہد ہے، یہ ضرور کامیاب ہوگی۔ ہمیں دبایا گیا تو ہم لڑیں گے، یہ لڑائی ہم نے نہیں چھیڑی بلکہ ہم پر مسلط کی گئی ہے، ہم پر تابڑ توڑ حملے گئے ہیں، اور ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے دفاع میں جو کچھ کر سکتے ہیں کریں۔

ایپنک کے سیکرٹری جنرل جناب حفیظ راقب نے کہا کہ اخباری کارکنوں کی طرف سے مذاکرات کا دروازہ کھلا ہے، مذاکرات بھی ہوں گے، لیکن جدوجہد بھی جاری رہے گی۔ اور اگر مذاکرات کا مقصد وقت ضائع کرنا ہے اور یہ مایوسی پھیلانے کی سازش ہے تو سازش نہ پہلے کبھی کامیاب ہوئی ہے نہ آئندہ ہوگی۔

اخباری صنعت کے کارکنوں نے اپنے سینوں پر مختلف قسم کے بیج لگائے ہوتے تھے۔ مزدور، مزدور بھائی بھائی، مزدور صحافی طالب علم بھائی بھائی اخبارات پر پابندیاں ختم کرو، مزدوروں کو رہا کرو، صحافیوں کو رہا کرو، کالے قوانین منسوخ کرو، ٹی وی کارکنوں کو بحال کرو، تیز ہو تیز ہو، جدوجہد تیز ہو، اور اس قسم کے دوسرے پرزور نعرے لگائے گئے۔

کوئٹہ سے

چشتی مجاہد

این ڈی پی کے رہنماؤں کی اپیل کے باوجود طلبہ کا احتجاج جاری ہے

خضدار میں معصوم طالبعلموں پر وحشیانہ فائرنگ کے واقعے کو اگرچہ خاصہ عرصہ گذر چکا ہے اور اس سلسلے میں مارشل لا ایڈ منسٹریٹر بلوچستان میجر جنرل غلام محمد بذات خود خضدار کا دورہ کر چکے ہیں اور اس سلسلے میں پولیس کے دو افسران کو جو موقع پر موجود تھے معطل کر دیا گیا اور تمام طالب علموں کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا ہے مگر کوئٹہ میں طالبعلموں کے مظاہرے، جلسے اور احتجاج پہلے دن کی طرح شدت سے جاری ہیں اور طلباء نے این ڈی پی بلوچستان کے صدر میر عزیز کرد۔ قومی اتحاد بلوچستان کے خصوصی اجلاس کی اپیل کی۔ سینیٹ میں اپوزیشن کے سابق لیڈر ہاشم غلزئی۔ صالح محمد مندوخیل۔ محمد عثمان کانسی، امیر الملک مینگل کی ان تمام اپیلوں کو رد کر چکے ہیں جس میں انہوں نے طلباء سے کہا ہے کہ وہ کلاسوں کا بائیکاٹ ختم کر دیں طلباء کے ایک پانچ رکنی وفد نے طلبہ ایکشن کمیٹی کے چیئرمین حبیب جالب کی قیادت میں بلوچستان کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات بھی کی ہے، یہ ملاقات جو جمعہ ۲۱ اپریل کو ہوئی دو گھنٹے تک جاری رہی مگر اس ملاقات کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور طلبہ ایکشن کمیٹی نے اعلان کیا کہ ان کی ہڑتال کلاسوں کا بائیکاٹ اور احتجاج جاری رہے گا جب تک کہ ان کے مطالبات تسلیم نہیں کئے جاتے طلباء نے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو جو مطالبات پیش کئے ہیں ان میں خضدار میں طلباء پر وحشیانہ فائرنگ میں ملوث افراد کو سر عام پھانسی دینے۔ گرفتار شدہ طلباء کو جن میں ایوب بلوچ بھی شامل ہیں رہا کرنے، طلباء کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ خضدار فائرنگ کے واقعہ میں ان کے جو ساتھی لاپتہ ہیں ان کا سراغ لگایا جائے۔ بہر حال حکومت طالب علموں سے اب تک بے حد رعایت برت رہی ہے اور وہ برابر اس کوشش میں مصروف ہے کہ مزید کوئی تلخی پیدا ہوئے بغیر طلباء احتجاجی جلسے و جلوس کا سلسلہ بند کر دیں مگر ایسا نظر آتا ہے کہ "اس وقت ہڑتال ختم نہیں کریں گے جب تک ان کے مطالبات منظور نہیں ہو جاتے اب دیکھنا ہے کہ محمود عزیز کرد طالب علموں کو راضی کرنے کے جس مشن میں مصروف ہیں اس میں وہ کس وقت اور کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔ اور حکومت نرمی کا مظاہرہ کب تک کرتی ہے۔

دوسری جانب چار بڑے بلوچ رہنما سردار خیر بخش مری۔ عطار اللہ مینگل۔ غوث بخش بزنجو اور شیر محمد مری ابھی تک خاموش ہیں انہوں نے نہ ہی کسی ردعمل کا اظہار کیا ہے اور نہ ہی طلباء سے کوئی اپیل کی ہے ایسا نظر آتا ہے کہ وہی طالب علم جوان لیڈروں پر جان چھڑکتے تھے اور ان کی ہر بات اور ہر فیصلے کو مقدم سمجھتے تھے اب ان کے ان لیڈروں سے شدید قسم کے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے سالانہ کنونشن میں جو گذشتہ ماہ کوئٹہ میں ہوا تھا نہ صرف ان بلوچ لیڈروں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کی گئیں بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ان کا این ڈی پی یا ان کے رہنماؤں

باقی صفحہ ۹ کالم ۲ پر

جاوید اقبال کا صفحہ

ایک سفارتی مبصر کے قلم سے

بھارتی وزیر خارجہ کو خیر سگالی دورے کی پاکستانی دعوت چین کے لیے بھارت سے مصالحت کا سبز سگنل بن گئی

کیا چین پاکستان سے بیوفائی کر کے بھارت کے رحم و کرم پر چھوڑ رہا ہے

ان تمام تبدیلیوں کو پاکستان بے تعلق ہو کر نہیں دیکھ سکتا۔ ان اچانک تبدیلیوں کے اصل اسباب کیا ہیں؟ ہم نے اپنے طور پر تو ان کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ معروضی اور حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے ممکن ہے یہ تجزیہ اور اس کے انکشافات بہت سے لوگوں کے لئے قابل برداشت نہ ہوں۔ آئیے اس معاملے کا اس طرح جائزہ لیں کہا جاتا ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا چین کا دورہ بہت کامیاب رہا ہے۔ صرف دلیل کی خاطر ہم اس حکومت کے تمام پروپیگنڈے کو سچ مان لیتے ہیں لیکن اس کے بعد پاکستان کے عوام کو یہ جاننے کا حق حاصل ہے کہ اگر حکومت کے تمام دعوے صحیح ہیں، اور حکومت پچھلی تمام گندگی دور کرنے کے لئے آئی ہے، تو پھر کیا کہ پاکستان کے سب سے بڑے دوست عوامی جمہوریہ چین نے طویل سولہ سال بعد بھارت سے مصالحت کا اچانک فیصلہ کیوں کیا۔ اگر پاکستان پر چین کا اعتماد ٹوٹا نہیں ہے تو کیا پاکستان سے بے وفائی کر کے اسے بھارت کے رحم و کرم پر چھوڑا جا رہا ہے۔ اس کا الزام پاکستان پر ہے یا چین پر۔ یہ ایسے متعلقہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات میں پاکستان کی سلامتی اور علاقائی خود مختاری کا مستقبل مضمر ہے۔ اس سے بلند تر سوچیں تو ان جوابات پر پاکستان اور اس کی آئندہ نسلوں کے وقار اور خودداری کا دارو مدار بھی ہے کوئی نہ کوئی تو اس کا جواب دہ ہوگا۔ پارلیمنٹ میں نہیں، تو عوام کی عدالت میں۔ یہاں کم از کم نہیں تو خدا کے سامنے۔

آسان ترین ترغیب تو یہ ہے کہ اس کا الزام چین پر عائد کیا جائے، لیکن بین المملکتی تعلقات ترغیبات سے ماورا ہوتے ہیں لیکن یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ بڑھ چڑھ کر بیان بازی سے، اور الزام و بے وفائی جیسے تیز الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے۔ یہ تبدیلیاں ممکن ہے ستاروں کا کھیل ہوں۔ ستارے تو نہ پاکستان پر الزام دھرتے ہیں، نہ چین پر۔ شاید حقیقت ستاروں اور مدبروں کے درمیان کہیں پر ہے چین سے انصاف کیا جائے، تو حقیقت یہ ہے کہ بھارت سے تعلقات کی بحالی کے لئے قدم اٹھانے کے لئے اخلاقی اور سیاسی جواز اس نازک عرصے کے دوران پاکستان نے ہی فراہم کیا ہے۔ گذشتہ چار پانچ ماہ میں پاکستان نے متواتر ایسے اقدامات کئے ہیں جن سے ظاہر ہوا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان زیادہ اچھے تعلقات کی راہ میں کوئی حقیقی رکاوٹ نہیں ہے۔ نومبر میں سکھ ننکانہ صاحب کی گلیوں میں رقص کرنے کے لئے آئے۔ نئی دہلی میں پاکستانی سفیر سے سکھ لیڈروں کا ایک وفد ملا اور اس نے مطالبہ کیا ننکانہ صاحب اور سکھوں کے زیر انتظام دوسرے

واجپائی کے دورے سے سب کچھ بھارت نے حاصل کیا

گردواروں کو ''ویٹی کن'' کی حیثیت دی جائے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان ہاکی میچ کھیلے نہیں بلکہ تہواروں کی طرح منائے گئے۔ مہدی حسن بھارت میں نغمگی کی بالیدگی کے لئے بھیجے گئے۔ پاکستان کا تصور پیش کرنے والے مفکر کے فرزند ارجمند بھی نئی دہلی روانہ کئے گئے۔ برطانوی وزیر اعظم کی موجودگی میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے ایک پالیسی بیان میں بھارت کو عزیز اور بڑا ہمسایہ' قرار دیا۔ لفظ ''بڑا'' اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ پاکستان نے برصغیر میں بھارت کی 'غالب حیثیت' کو اسی طرح قبول کر لیا ہے، جس طرح کچھ ہی روز پہلے امریکی صدر نے اعلان کیا اور اس کے بعد وزیر اعظم برطانیہ نے اس کی تائید کی، ''عزیز'' کا مطلب یہ ہے کہ کشمیر عزیز تر نہیں ہے۔ بیرونی دنیا ان کلیدی الفاظ کی تعبیر اسی طرح کرے گی۔ ممکن ہے کہ یہ الفاظ ان خواہشات کے ساتھ استعمال نہ کئے گئے ہوں۔ لیکن وقت بڑا ظالم ہے اور جہنم کے لئے راستہ نیک خواہشات سے ہی ہموار ہوتا ہے۔ بین الاقوامی سفارت کاری۔ بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔

تاہم سب سے بڑی غلطی، جو بعد میں یقیناً ناقابل معافی غلطی قرار دی جائے گی۔ وہ بھارتی وزیر خارجہ کو پاکستان کے خیر سگالی دورے کے لئے مدعو کرنا تھا۔ اولاً تو تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نازک موقع پر بھارتی وزیر خارجہ کو پاکستان بلایا ہی نہیں جانا چاہئے۔ اگر اسے بلانے سے گریز نہیں کیا جا سکتا تھا تو انہیں جموں اور کشمیر کے تنازعے پر ٹھوس بات چیت کے آغاز کے خاص مقصد کے لئے دورۂ پاکستان کی دعوت دی جاتی۔ مطلب یہی ہے کہ ان کی آمد کا مقصد کچھ سنجیدہ مذاکرات ہوتے، نہ کہ خیر سگالی کا شور مچایا جاتا، سوویت یونین کے وزیر اعظم مسٹر کوسی جن ۱۹۶۰ء میں پیکنگ میں وزیر اعظم چواین لائی سے ملے تو وہ سرحدی تنازعات پر بات چیت کرنے کے لئے۔ اس طرح اس دورے کو سوویت یونین یا چین کسی کو بھی نقصان پہنچانے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ جب خیر سگالی کے زیر عنوان ایک مبہم دورہ کیا جائے تو نتائج ظاہر ہیں۔ پاکستان نے مسٹر واجپائی کے دورہ سے کیا حاصل کیا کچھ نہیں۔ حاصل سب کچھ بھارت نے کیا۔ وہ پاکستان ایک سرپرست کی حیثیت سے آئے۔ اسی لہجے میں انہوں نے راولپنڈی اور لاہور میں گفتگو کی۔ جب وہ بھارت پہنچے تو وہ اپنی کامیابی کی مسرت روکے نہ روک سکے۔ اس دعوت پر عوامی ردِ عمل کو بھانپتے ہوئے محکمۂ خارجہ نے ایک بے مقصد، اور کھوکھلی وضاحت جاری کی کہ پاکستان نے بھارتی وزیر خارجہ کو اس لئے دعوت دی تھی کہ انہوں نے کسی جلسۂ عام میں پاکستان کا دورہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اس وضاحت پر بات کر کے ہم محکمۂ خارجہ کے احساسات اور ذہنی جنس کو مجروح نہیں کریں گے۔ لیکن مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس لئے دوبارہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر دعوت دینا اتنا ہی ناگزیر تھا، تو یہ دعوت غیر مشروط نہیں ہونی چاہئے تھی اور نہ یہ خیر سگالی کی نوعیت کے لئے ہوتی۔ یہ جموں کشمیر تنازعے پر بات چیت سے مشروط ہوتی۔ شملہ معاہدے کے مطابق سیمیناروں اور گیتوں کی لذت' اور مشیر زراعت امیر محمد خان کی طرف سے خوفناک جذباتیت کا مظاہرہ۔ جموں کشمیر تنازعے کے طے ہونے کے بعد ہونا چاہئے تھا نہ کہ پہلے۔ شملہ معاہدے کے عمل کو الٹا چلا کر اور بھارتی وزیر خارجہ کو پاکستان میں خیر سگالی مشن کے لئے آنے کی غیر مشروط دعوت دے کر پاکستان نے چین کے لئے متعلقہ اقدامات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ درحقیقت مسٹر واجپائی پاکستان آنے کے اسی لئے خواہشمند تھے کہ ان کے پاسپورٹ پر یوں چین کا ویزا الگ جائے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں لگتی کہ چین بھارتی وزیر خارجہ کو اسی صورت میں بھی چین کے دورے کی دعوت دے دیتا جبکہ پاکستان نے انہیں پہلے ایسی دعوت دے کر نہ بلایا ہوتا پاکستان دراصل بھارت کی اعلیٰ ترین ڈپلومیسی سے مارکھا گیا۔ بھارتی رہنماؤں کو اچھی طرح علم تھا کہ پیکنگ کو راستہ اسلام آباد سے ہو کر جاتا ہے۔ اسی لئے مسٹر واجپائی پاکستان کا دورہ غیر مشروط اور خیر سگالی مشن کے لئے کرنا چاہتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ چین نے کوئی غلطی نہیں کی اور پاکستان سے کوئی بے وفائی نہیں کی۔ ہر ملک کو اپنے قومی مفادات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

اگر تنازعہ کشمیر جیسے سنگین یا جو کبھی سنگین تھا کے مسئلے کی موجودگی میں پاکستان بھارت سے تعلقات بہتر کرنے کے لئے طویل جست لگا سکتا ہے تو چین سے یہ توقع غیر منطقی اور غیر حقیقت پسندانہ ہو گی کہ وہ بھارت سے تعلقات کے سلسلے میں مسلسل منفی رویہ اختیار کئے رکھے۔ چین تو ابتدا ہی سے بھارت سے اپنے سرحدی تنازعات کو بات چیت اور پر امن ذرائع سے حل کرنا چاہتا تھا۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء کا تصادم اس لئے واقع ہوا کہ بھارت نے چین کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ چین نے جس علاقے پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا، وہ ساری کی ساری چین کی جھولی میں اگر آرہی' تو یہ بھارت کی غلطی تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ چین اپنی مضبوط پوزیشن کا فائدہ اٹھاتا، صاف بات یہ تھی چین کو بھارت سے اور اکتوبر ۱۹۶۲ء کے تصادم سے تبدیل شدہ حالات پر مذاکرات میں شمولیت کرنے سے کچھ کھونے کا ڈر نہیں تھا۔ چین نے بھارت کے ساتھ اور پاکستان کے ساتھ اپنی پوزیشن مستقل رکھی تھی۔ چین کو پاکستان یا بھارت سے کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔ بھارت اور پاکستان دونوں نے غلطیاں کیں اور دونوں نے اس کا خمیازہ بھی بھگتا بھارت کے ساتھ فوجی انتظامیہ کی پالیسیاں بالخصوص گذشتہ چند ماہ کی حکمت عملی چین کے لئے کسی نقصان کا باعث نہیں بنی بلکہ یہ پالیسیاں چین کے لئے ایک طرح کا سبز اشارہ بن گئیں جس کے بعد چین نے بھارت سے کہا کہ اب چین بھارت مصالحت کے لئے بات چیت شروع ہو جانی چاہئے

بھارتی رہنما جانتے تھے

کہ پیکنگ کا راستہ

اسلام آباد سے ہو کر جاتا ہے

۱۹۶۴ء سے چین پاکستان کو جارحیت کے خطرے سے نمٹنے کے لئے فوجی ساز و سامان بڑی تعداد میں دے رہا تھا چین یقیناً ایک بڑی طاقت ہے لیکن اس نے پاکستان کو لاکھوں ڈالر کا فوجی ساز و سامان کسی قیمت کے بغیر اور کسی خاص محرک کے بغیر تحفے کے طور پر کوئی چھوٹی قربانی نہیں دی ہے امریکہ نے جب پاکستان کی فوجی امداد بالکل بند کر دی تو چین نے اس خلا کو مشن کے طور پر پورا کیا۔ یہ مشن اس عقیدے پر مبنی تھا کہ پاک بھارت تنازعے سے پاکستان کی سلامتی کو خطرہ ہے۔ اس یقین کے ساتھ ہی چین نے پاکستان کو اپنے جارح اور دشمن ہمسائے کے مقابلے میں پاکستان کی مدد اور پھر پاکستان کو کسی بھی مسلح حملے کی صورت میں اپنی سرحدوں کے تحفظ کے اہل بنانے کی ذمہ داری سنبھالی۔ یہی سبب تھا جس نے وزیر اعظم چواین لائی کو پیکنگ میں جنوری ۱۹۷۲ء میں پاکستانی وفد کو یہ یاد دلانے پر مجبور کیا کہ چین پاکستان کو فوجی امداد غیر ملکی جارحیت کے خلاف استعمال کرنے کے لئے دیتا ہے' اپنے عوام کے خلاف استعمال کرنے کے لئے نہیں ۱۹۷۱ء کے بعد سے برصغیر میں فوجی توازن تیزی سے بھارت کے حق میں چلا گیا تھا۔ پاکستان انتہائی قابلِ رحم حالت کا شکار ہو جاتا اگر چین نے ۱۹۶۴ء سے ایک پیسہ لئے بغیر فوجی ساز و سامان کی ترسیل نہ جاری رکھی ہوتی۔"

جوں کشمیر تنازعے کے حل کے بغیر پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات کی بہتری نے چونکہ چین کو بھارت سے مصالحت کا اخلاقی جواز فراہم کر دیا ہے اس لئے دو مرکزی سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) چین اور بھارت کی مصالحت کے نتیجے میں پاکستان پر سیاسی اور اقتصادی اثرات (۲) چین سے پاکستان کے لئے فوجی امداد کا مستقبل۔

ایک قدرتی سی بات ہے کہ جب چین اور پاکستان دونوں میں بھارت سے تعلقات بہتر کرنے کی دوڑ لگی ہوئی ہوگی تو عجیب سا لگتا ہے کہ چین پاکستان کو مزید مسلح کرتا ہے پاکستان اور بھارت باہمی تعاون کے نئے دور میں داخل ہونے کے بعد اپنی تمام تر طاقت خوراک پر صرف کریں گے زرعی پیداوار بڑھانے پر توجہ دیں گے۔ چین نے اپنی ہمسر طاقتوں سے آگے بڑھنے کے لئے بیس برس کی حد مقرر کی ہے، اس لئے وہ بھی اپنی ہر پائی انہی ترجیحات پر خرچ کرے گا مزید براں یہ ایک بنیادی تضاد ہوگا کہ یہ فرض کرتے ہوئے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی ہے اس لئے پاکستان کو فوجی ساز و سامان مہیا کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ بھارت سے صلح کی باتیں بھی کی جائیں اس لئے مستقبل میں چین کی طرف سے پاکستان کے لئے سیاسی اور فوجی امداد کی مقدار اس مثلث کا ایک پیچیدہ باب ہے۔

سرحد کے معاملے پر بھارت اور چین کے اختلافات بات چیت کے ذریعے طے ہو سکتے ہیں۔ یہ اختلافات کشمیر کے تنازعے کی طرح پیچیدہ یا بنیادی نہیں ہیں لیکن یہ سرحد کا مسئلہ بھی پاکستان سے الگ نہیں ہے۔ لداخ کے علاقہ میں نہ صرف بھارت اور چین ہیں بلکہ پاکستان بھی ملوث ہے۔ پہلے پہل جب لداخ میں سرحدی تصادم شروع ہوا تو صدر ایوب نے کہا تھا کہ اس مسئلے کا تعلق صرف بھارت اور چین سے ہے اس وقت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے لئے پاکستانی وفد کی قیادت کر رہے تھے۔ انہوں نے نیویارک سے مسٹر منظور قادر کو ایک خط کے ذریعے یاد دلایا کہ لداخ کشمیر کا حصہ ہے۔ اور لداخ پر بھارت کا قبضہ غیر قانونی ہے۔ اس پر پاکستان کو سوال اٹھانے کا حق حاصل ہے اس لئے لداخ پر چین اور بھارت کے درمیان تصادم سے پاکستان کا بھی براہ راست تعلق ہے یہ ۱۹۵۹ء کی بات ہے جب لداخ میں چین اور بھارت کے درمیان پہلی جھڑپ ہوئی دوسرا تصادم ۱۹۶۲ء میں ہوا چین اور پاکستان کے درمیان تعلقات خوشگوار ماحول میں بڑھ رہے تھے اس لئے اس سوال کو عملی اہمیت حاصل نہ ہو سکی تاہم اگر اب بھارت اور چین کے درمیان یہ مسئلہ دوبارہ اٹھایا جاتا ہے تو یہ پاکستان کے لئے بھی مساوی اہمیت رکھتا ہے

اس وقت تو یہ پیش بینی قبل از وقت ہوگی کہ چین اور بھارت جب آمنے سامنے بیٹھیں گے، تو اپنے اختلافات کیسے طے کریں گے۔ پر امن ذرائع سے مسئلہ طے کرنے کے اصول کو دونوں ملک مارچ ۱۹۷۸ء میں تسلیم کر چکے ہیں۔ یہ بات تو مشکوک ہے کہ چین لداخ میں کوئی رعایت دینے کی پوزیشن میں ہوگا۔ نیفا کی سرحد پر ممکن ہے۔ وہ کچھ لچک کا مظاہرہ کرے۔ یہ تفصیل طلب معاملات ہیں۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ اختلافات بات چیت سے طے ہو سکتے ہیں اور پر امن تصفیے کی حدود

میں ہیں ایک بار نتیجہ سامنے آجائے، مثلث کی شکل مزید متاثر ہوگی۔

فرض کیجئے کہ مستقبل قریب میں چین اور بھارت کے اختلافات پرامن طریقے سے طے ہو جائیں گے اور اس کے نتائج پاک چین تعلقات پر اثر انداز ہوں گے کیا پھر پاکستان لیاقت علی خاں کے مکے کی طرف رجوع کرے گا یا پھر تبدیل شدہ حقیقتوں کے سامنے سر خم کردے گا پاکستان ۱۹۴۷ء کی پوزیشن میں واپس چلا جائے گا لیکن مشرقی پاکستان کے بغیر اور زیادہ پیچیدہ اور مشکل حالات میں ڈیورنڈ لائن کا تنازعہ بھی ہے کشمیر کا تنازعہ بھی باقی ہے۔ ایک بڑی طاقت کی طرف سے انشورنس پالیسی کی مستقبل قریب میں ختم ہونے کے بعد ممکن ہے اپنی شرائط کے ساتھ تجدید نہ ہو سکے۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان موجودہ فوجی قوت کا عدم توازن بھی اس بات کا غماز ہے کہ اب یہ فیصلہ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ پرامن ذرائع سے ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ اگر بھارت کی شرائط پر مسئلہ کشمیر پرامن طور پر حل ہو جاتا ہے تو کیا پاکستان کے خلاف بھارت کی روایتی دشمنی بھی ختم ہو جائے گی۔ بھارتی قیادت اس موقف پر مصر رہی ہے کہ بھارت ماتا کی تقسیم ناقابلِ برداشت ہے۔ حال ہی میں جنتا پارٹی کے ایک لیڈر نے جموں میں کہا کہ پاکستان کی مزید تقسیم ناگزیر ہے۔ بھارتی قیادت نے اپنے اس نظریے کو ختم کیا ہے نہ تبدیل کیا ہے۔ نہرو کہا کرتے تھے کشمیر بیماری کی صرف ایک علامت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمیر پر یکطرفہ تصفیہ بھی مسئلے کو حل نہیں کر سکے گی اس صورت حال اطاعت کے لئے کوئی تو ذمہ دار ہونا چاہیئے ایک قوم جو اپنے ہی لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہو، وہ بیرونی دھمکیوں کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتی۔ پاکستان اپنے آپ کو اس صورت حال میں آج اس لئے پا رہا ہے کہ پاکستان کی اپنی غلطیوں نے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے،

OO

اسلامی انقلاب کے داعی یہ بھی کرتے ہیں

وائس چانسلر، پرو وائس چانسلر اور یونیورسٹی کی انتظامیہ

اس جرم میں برابر کے شریک ہیں

اسلامی انقلاب کی داعی جماعت کی بغل بچہ اسلامی جمعیت طلبہ نے جامعہ کراچی میں اپنے ہی نامزد کردہ یونین کے سیکرٹری جنرل غلام مجتبیٰ کو جمعیت سے خارج کر دیا۔ اسلامی جمعیت کے جامعہ کراچی کے یونٹ نے ایک بیان میں جو جامعہ میں تقسیم کیا گیا یہ دعویٰ کیا کہ "ایسا شخص جو اپنے عہدے کا ناجائز استعمال کرے جو ذاتی مفاد کو طلبہ کے اجتماعی مفاد پر ترجیح دے جو اساتذہ کرام سے حسن سلوک روا نہ رکھے، جو اپنی تنظیم کے اصولوں سے انحراف کرے ہماری صفوں میں نہیں رہ سکتا۔"

"چوری اور سینہ زوری" اسے ہی کہتے ہیں۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ نے اپنے بیان میں اس جرم کی نشاندہی نہیں کی جس کی بنیاد پر اسے اپنی یونین کے سولہ ماہ سے سکریٹری جنرل کے فرائض انجام دینے والے اہم عہدیدار کو نکالنا پڑا اور جس پر لگائے جانے والے الزامات کی وہ ایک دن پہلے تک بڑی ڈھٹائی سے تردید کر رہے تھے

تفصیل اس واقعہ کی یوں ہے کہ غلام مجتبیٰ سیکرٹری جنرل انجمن اتحاد طلبہ فارمیسی فائنل (سپیشل سمسٹر) کے طالب علم تھے ۱۵ فروری ۱۹۷۸ء کو پروویژنل سرٹفکیٹ لے کر جو مکمل نتائج سے پہلے کسی قانون کے تحت جاری نہیں کیا جا سکتا جدہ میں بحیثیت ایک فارمیسٹ گریجویٹ نوکری حاصل کرتے ہیں اور سعودی عرب روانہ ہو جاتے ہیں۔ اپریل میں جب ان کا نتیجہ آتا ہے تو وہ اپنی مارکس شیٹ کے مطابق ٹیکنالوجی کے مضمون کی تھیوری اور پریکٹیکل دونوں میں فیل نکلتے ہیں غلام مجتبیٰ کے دوست جدہ میں انہیں اس سانحہ کی اطلاع دیتے ہیں اور وہ پہلی فلائٹ سے کراچی پہنچ جاتے ہیں۔ جامعہ کراچی میں اپنی اچانک آمد کا سبب وہ یونین کے ہفتہ طلبہ میں شرکت بتاتے ہیں۔ پہلے تو جمعیت کے ناظم اور جماعت اسلامی کے اساتذہ کرام یہ کوشش کرتے ہیں کہ غلام مجتبیٰ کی مارکس شیٹ تبدیل کردی جائے مگر اس میں وہ کامیاب نہیں ہو پاتے اور پھر جمعیت کی ہائی کمان اور اساتذہ کرام ڈین آفس میں اپنے گھس بیٹھوں کی مدد سے انتظامیہ کی جانب سے ۱۶ اپریل کو ۱۷۰۰-۱۷ ایف ۷۸-۴-۱۶ سرکلر جاری کرواتے ہیں جو فلیر اکیڈمک کونسل کی منظوری کے ڈی آفس اور پھر اسی رات فارمیسی کے متعلقہ استاد کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اگلے ہی دن کونسل روم میں غلام مجتبیٰ خصوصی امتحان دے رہے ہوتے ہیں۔ فارمیسی کے چند طلبہ کا اتفاق سے کونسل روم سے گزر ہوتا ہے اور وہ غلام مجتبیٰ کو امتحان دیتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ امتحان لینے والے استاد اور وہاں پر موجود جمعیت کے حامی پہلے تو ان طلبہ کو خاموش کرانا

DEPARTMENT OF PHARMACEUTICS

Faculty of Pharmacy

UNIVERSITY OF KARACHI

UNIVERSITY OF KARACHI
KARACHI
(Pakistan)

April 3, 1978.

The Chairman,
Deptt. of Pharmaceutics,
Faculty of Pharmacy,
University of Karachi.

Dear Sir

I would like to bring to your notice the [illegible] of Mr. Ghulam Mujtuba, Roll [illegible] of IIIrd year IInd Semester. I have taken course No.508 of this class in IInd. Semester. Since according to [illegible] Semester rules the Lab-Work and the comprehensive exams. [illegible] the passing heads in which the students has failed I request you to kindly rectify the mistake [illegible] the result of Mr. Mujtuba should be read as.

19 - 14 - 05 - 33 - (05) - (15) - 53 - F

Thanking you,

Yours truly,

Tasneem Ahmed.

اسلامی جمعیۃ طلبہ کے غلام مجتبیٰ اسلامی انقلاب لاتے ہوئے پکڑے گئے

چاہتے ہیں مگر جب یہ طلبہ باآواز بلند اس پر احتجاج کرتے ہیں تو جمعیت کے حامی ان طلبہ کو مارنے کو دوڑتے ہیں یہ ہنگامہ دیکھ کر طلبہ کی ایک بڑی تعداد کونسل روم کے اردگرد جمع ہو جاتی ہے اور چند ہی گھنٹے میں یہ خبر جامعہ کراچی میں پھیل جاتی ہے کہ جمعیت کا سیکرٹری امتحان دیتے ہوئے پکڑا گیا۔

اسلامی جمعیت طلبہ کی ہائی کمان کا ڈین آفس میں فوری اجلاس ہوتا ہے اور پھر جماعت اسلامی کے اساتذہ اور پرو وائس چانسلر ڈاکٹر محفوظ علی کے مشوروں سے جامعہ کی انتظامیہ کی جانب سے اس پورے واقعہ پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک ہینڈ آوٹ اخباروں کو جاری کروایا جاتا ہے جو ۲۱ اپریل کے تمام اخبارات میں چھپتا ہے۔ ہینڈ آؤٹ کا متن یہ تھا۔

"کراچی ۲۰ اپریل۔ جامعہ کراچی کی انتظامیہ نے اس خبر کی تردید کی ہے کہ کلیہ فارمیسی کے ایک طالب علم کے نتائج کے اعلان میں بے ضابطگیاں کی گئی ہیں۔ انتظامیہ نے اس معاملہ کی پوری طرح چھان بین کی ہے جس کے بعد اس کی پوری تصدیق ہو گئی ہے کہ مذکورہ طالب علم کے نتائج کے اعلان میں کوئی بے ضابطگی نہیں کی گئی اور اس سلسلے میں جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔"

جامعہ کراچی کی انتظامیہ کی اس تردید کے بعد لبرل اور پروگریسو فرنٹ کی جانب سے مارکس شیٹ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی شائع کر دی جاتی ہے جامعہ کراچی میں اس دستاویزی ثبوت کے شائع ہوتے ہی کھلبلی مچ جاتی ہے ڈین آفس میں اسلامی جمعیت طلبہ کی ہائی کمان جماعت اسلامی کے اساتذہ اور انتظامیہ کے چند ارکان کا اجلاس ہوتا ہے اور جس میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ اب جب کے اس پورے معاملے کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے تو اسلامی جمعیت کو چاہیئے کہ وہ غلام مجتبیٰ کو جمعیت سے خارج کر کے اپنی نام نہاد اصول پرستی اور تنظیمی ڈسپلین کا ڈھنڈورا پیٹے۔ ۲۳ اپریل کو جمعیت طلبہ اسلامی انقلاب کے داعی یہ بھی کرتے ہیں کہ سرخیوں کے ساتھ غلام مجتبیٰ کو جامعہ سے خارج کر دیتی ہے، جماعت اسلامی کا اخبار جسارت اپنے اداریئے میں "ایک اچھی روایت" کے عنوان سے جمعیت طلبہ کے اس فیصلہ کو اسلامی انقلاب کے داعی جماعتوں کی تنظیم میں ڈسپلین اور مضبوطی کا شاہکار قرار دیتا ہے۔

اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کے ڈھنڈورچیوں کا چوری اور سینہ زوری تو ہمیشہ سے ایمان رہا ہے۔ مگر جامعہ کراچی کی انتظامیہ کا "پروویژنل سرٹیفکیٹ" بغیر کسی قانون کے دینا۔ اور اکیڈمک کونسل کی منظوری کے بغیر سرکلر جاری کرنا اور صرف ایک طالب علم کے لئے امتحان لینا اور پھر اس پورے واقعہ کی قلعی کھل جانے کے باوجود ایک سرکاری ہینڈ آوٹ کے ذریعے تردید کرنا ایک ایسا بھیانک جرم ہے جس کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات ہونی چاہیئے۔ اس پورے معاملے میں پرو وائس چانسلر ڈاکٹر محفوظ علی ڈین فیکلٹی آف فارمیسی نے جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں مگر جامعہ کراچی میں دھاندلی کے اتنے بڑے واقعہ کو شہرت عام حاصل ہو جانے کے باوجود جامعہ کراچی کے وائس چانسلر ڈاکٹر احسان رشید کی کوئی وضاحت نہیں آئی ہے۔ گزشتہ چند ماہ سے وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر جس طرح جامعہ میں اسلامی جمعیت طلبہ کو ہر طریقے سے مشتہر کروا رہے ہیں اور طلبہ کے مطالبات پر یونین کی مدت پوری ہو جانے کے باوجود اسے مسلط کئے ہوئے ہیں اسے دیکھتے ہوئے جامعہ کے محترم وائس چانسلر کی خاموشی سمجھ میں آتی ہے۔

OO

جی ایم مفتی (مظفرآباد)

مقبوضہ اور آزاد کشمیر میں چیئرمین بھٹو کے حق میں مظاہرے

جوابی مظاہروں کے لیئے سردار قیوم کی کوششیں ناکام ہوگئیں

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور سابق وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو لاہور ہائی کورٹ کے فل بنچ کی طرف سے سزائے موت کے فیصلہ کے اعلان کے بعد بھارتی مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں ان کی حمایت میں تاریخی مظاہرے ہوئے ہیں، مقبوضہ بھارتی کشمیر میں تقریباً سات روز مسلسل ہڑتال رہی احتجاجی جلوس نکلے اور عام جلسے منعقد ہوئے جن میں حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ سابق وزیر اعظم کے اہلِ کشمیر کے لئے خدمات کے پیش نظران کی سزائے موت منسوخ کی جائے۔ یہ مظاہرے اننت ناگ سرینگر شوپیاں، بارہ مولا، سوپور، ہندواڑہ، ٹیٹوال اور وادی کرناہ میں ہوئے۔ اسی طرح آزاد کشمیر میں کوٹلی میرپور، مینڈھر، پلندری، کہوٹہ، راولاکوٹ، باغ، مظفرآباد، ہٹیاں، اور اٹھمقام میں مسٹر بھٹو کے حق میں مظاہرے ہوئے۔ مقبوضہ کشمیر کے ان عام جلسوں میں اسلام، پاکستان اور ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ اور کشمیری حریت پسندوں نے اس عزم کو دہرایا کہ وہ بھارتی سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ قراردادوں میں مسٹر بھٹو کی مظلوم کشمیریوں کے حق میں موثر اور باوقار طریقے سے آواز بلند کرنے اور عالمی سطح پر اہل کشمیر کی مدبرانہ طور پر

بھارت کے انٹیلی جنس افسر
پشپال سنگھ کو ایوانِ صدر میں مہمان رکھا

سیاسی بدعنوانی

۲۴ فروری ۱۹۷۰ء، اپنے بھائی کو شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کے لئے بھیجا اور شیخ مجیب الرحمٰن ایک علیحدگی پسند لیڈر تھا انکا رابطہ اور پیغامات سردار قیوم کی نام نہاد نعرہ الحاق پاکستان کی قلعی کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

ہندوستان کے انٹلی جنس آفیسر پشپال سنگھ کے ساتھ خفیہ تعلقات استوار کرنے کیلئے سجوان کو ملنے ۱۹۷۱ء میں مظفرآباد آیا اور ایوان صدر میں کئی دن مہمان رہا۔ المجاہد فنڈ قائم کیا اور لاکھوں روپیہ اندرون ملک اور بیرون ملک اکٹھا کیا اور آل پارٹیز کانفرنس بلانے کا ڈھونگ رچایا، جو کبھی بھی منعقد نہ ہوئی اور اس کانفرنس کے نام پر اکٹھی کی جانے والی رقم ہضم کر گیا۔

فروری ۱۹۷۴ء لاہور اسلامی کانفرنس میں بغیر دعوت کے شرکت کے بہانے پر سرکاری خزانہ سے ۲۵ ہزار روپے خرچ کئے گئے۔ یہ رقم صرف سردار قیوم اور اس کے ساتھیوں کے ٹی اے ڈی اے پر خرچ ہوئی۔

مالیاتی بے ضابطگی

سردار قیوم نے چار سال کے دوران اختیاری فنڈ کے ایک لاکھ اکسٹھ ہزار آٹھ سو پچاس روپے خرچ کئے۔ جبکہ سابقہ حکومتوں کے صدر سالانہ اختیاری فنڈ صرف ۳۰ ہزار روپے خرچ کرتے تھے۔ اس رقم میں سے ساٹھ ہزار روپے سردار قیوم خود ہڑپ کر گئے۔

گاڑیوں کی مرمت پر سردار قیوم نے ایک لاکھ ستر ہزار پچاسی روپے گاڑیوں کی مرمت کے لئے ایڈوانس رقم برآمد کی جس کے کوئی بل اینڈ ڈی سی بلز اکاؤنٹنٹ جنرل کو پیش نہیں کئے گئے یہ رقم بھی ہضم کرلی

کے لئے کرائے ہیں، اس طرف پاکستان میں بھی قومی اتحاد کے بعض حامی اخبارات نے بھٹو دشمنی میں ان کشمیر دشمن اخبارات کے حوالے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں سات روز مسلسل بھارتی حکومت کے خلاف اور پاکستان کے حق میں جو مظاہرے ہوتے چاہیئے تو یہ تھا کہ پاکستانی اخبارات اور حکومت عالمی سطح پر اس کا نوٹس لیتے اور بھارتی حکمرانوں کو کشمیری عوام کو حق خودارادیت دینے کے وعدوں کی یاد دہانی کراتے الٹا یہ گروہ بھی بھارتی اخبارات کی مہم میں شامل ہوگیا اور اس طرح سے ستم زدہ کشمیریوں کی اس تحریک کو محض بھٹو دشمنی میں ناکام بنا کر بھارت کی توخدمت کی ہے۔ لیکن اہل کشمیر کے ساتھ صریحاً ناانصافی ہوتی ہے غالباً اس لئے بھی کہ سلال ڈیم کے بارے میں سمجھوتہ ہونا تھا۔ اور چونکہ وادی کشمیر میں ایک طوفان اٹھا ہوا تھا اس لئے طوفان کو روکنے اور سلال ڈیم پر

وکالت کرنے پر انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔ ان احتجاجی مظاہروں سے بھارت کے اونچے ایوانوں میں زلزلہ آگیا، انہیں یہ فکر لاحق ہوگئی کہ کہیں اہل کشمیر کے یہ عظیم احتجاجی جلوس اور عام جلسے ان کے لئے پریشانی کا باعث نہ بنیں۔ چنانچہ وہاں کے اخبارات کے ایک گروہ نے عالمی سطح پر یہ ناکام تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ مظاہرے اندرا گاندھی کے حامیوں اور کمیونسٹوں نے محض اپنے مفادات کے حصول

لاکھوں روپے کی خرد بُرد، منظور نظر ٹھیکیداروں پر نوازشیں

پٹرول پر خرچ

سردار قیوم نے اپنی زیر استعمال گاڑیوں میں چار لاکھ روپے کا پٹرول استعمال کیا جبکہ اس کے پیش رو صدر سالانہ پٹرول دس ہزار روپے کا خرچ کرتے تھے

ٹیلیفون کا ناجائز استعمال

کا کا جی ہاؤس جو کہ ان کے دوست کا مکان تھا اس کے ٹیلیفون کا بل ستر ہزار روپے ادا کیا۔

ٹی۔ اے۔ ڈی۔ اے

سردار قیوم نے اپنے دور صدارت میں دو لاکھ روپے ایڈوانس ٹی۔ اے۔ ڈی اے برآمد کیا لیکن حساب صرف ۸۹۰۰۰ روپے کا دیا۔

اس کے علاوہ لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے دوران سردار قیوم نے اپنے عملے کے لئے ۲۷،۷۹۲ روپے نکالے جن کا حساب اکاؤنٹنٹ جنرل کو نہیں دیا۔

عطیہ جات

پونچھ کے ایک شخص رزاق کو دس ہزار روپے دیئے۔ جبکہ سابقہ تمام حکومتوں نے اس کے کیس کو مسترد کر دیا تھا۔ ہل سرنگ کے ایک شخص انور شاہ کو بغیر کسی وجہ کے منشن گرانٹ سے دس ہزار روپے ادا کئے

سرکاری پبلسٹی فنڈ کا خرد برد

ساٹھ ہزار روپے سیمنار اینڈ پبلیکیشنز کی مد سے نکال کر تیس تیس ہزار روپے کے دو چیکوں کی صورت میں حبیب بینک میں اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کرلی اس خرچ کی کوئی منظوری اسمبلی سے نہیں لی گئی۔

بے جواز خرچ

مسلم وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقدہ کراچی میں سردار قیوم جا نکلے اور اڑتیس ہزار روپے بغیر کسی جواز کے خرچ کئے جس کا حساب اکاؤنٹنٹ جنرل کو نہیں دیا گیا اور بغیر دعوت کے خود گئے۔ ۷۴-۱۹۷۳ء میں وزیر امور داخلہ آزاد کشمیر تشریف لائے اس بہانے سے سردار قیوم نے خزانہ سے سترہ ہزار روپے نکال لئے جس کا کوئی حساب نہیں وزیر اعظم پاکستان نے ۱۹۷۳ء میں جو دورہ کیا اس کے انتظامات کے سلسلے میں پچیس ہزار روپے سردار قیوم نے خزانے سے نکالے جس کا کوئی حساب اکاؤنٹنٹ جنرل کو نہیں دیا۔

نومبر ۱۹۷۳ء میں سولہ ہزار پانچ سو پچاس روپے خزانے سے نکالے گئے اور اے جی کو یہ خط لکھا۔ کہ رقم متعلقہ اشخاص میں تقسیم کر دی گئی۔ اشخاص کا کچھ علم نہیں۔

حج کے موقع پر سردار قیوم نے ذاتی پبلسٹی پر ۳۲۰۰۰ ہزار روپے پمفلٹوں اور بین الصوبائی رابطہ کانفرنس کے نام پر خرچ کئے گئے جو سردار قیوم کے دور میں کبھی منعقد نہیں ہوئی۔

تیس لاکھ روپے کسٹوڈین فنڈ سے نکال کر بے جا خرچ کئے گئے۔

اوقاف فنڈ

ایڈمنسٹریٹر اوقاف کے ذریعے بارہ لاکھ روپے نکال کر سالانہ اخراجات کے نام پر خرچ اور ہڑپ کئے۔

سمجھوتہ کرنے کے لئے راہ ہموار کرنا ضروری سمجھا گیا۔

سلال ڈیم ریاسی میں دریائے چناب کا پانی استعمال کر کے بھارت بجلی پیدا کرے گا سندھ طاس معاہدے کے تحت چناب کے پانی پر پاکستان کا مکمل کنٹرول بتلایا گیا ہے۔ اور وہاں بھارت کسی صورت میں چناب کے پانی کو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اب حالیہ سمجھوتے کے تحت بھارت کو مقبوضہ کشمیر موضع ریاسی میں سلال ڈیم بنانے اور بجلی پیدا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس طرح سے مقبوضہ کشمیر کی صورت حال قدرے مختلف ہو گئی، یا یوں سمجھ لیجئے پاکستان نے اپنی مجبوریوں کے تحت کشمیر کی موجودہ پوزیشن کو تسلیم کر لیا ہے؟ اسکی وضاحت پاکستان کی وزارت خارجہ ہی کر سکتی ہے اور پیدا شدہ شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کر سکتی ہے۔

جہاں تک آزاد کشمیر میں مسٹر بھٹو کی حمایت میں مظاہروں کا تعلق ہے۔ تقریباً ڈھائی سو کے قریب پیپلز پارٹی کے رہنما اور کارکن ایمرجنسی ایکٹ کی دفعہ ½۱۲ کے تحت گرفتار کر لئے گئے ہیں، جن میں بعض کارکنوں کو ضمانت پر رہائی ملی، اور ان کے خلاف اسی ایکٹ کے تحت مقدمات بھی درج کر لئے گئے ہیں۔ سیاسی کارکنوں کو مظفر آباد، میرپور اور راولاکوٹ کی جیلوں کے تنگ و تاریک کمروں میں رکھا گیا۔ یہاں تک کہ مظفر آباد تھانہ میں بعض سیاسی کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ آزاد کشمیر وجموں قانون ساز اسمبلی کے سابق اسپیکر اور پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ریٹائرڈ کرنل محمد مشتاق خان سابق وزیر میاں غلام رسول اور ہفت روزہ "انجام" کے ایڈیٹر حمید مفتی، محمد خان کیانی، لطیف اکبر ایڈووکیٹ اور سابق ایم ایل اے صاحبزادہ اسحٰق ظفر ایڈووکیٹ مظفر آباد کی مرکزی جیل میں ہیں، آزاد کشمیر کے سابق سینئر وزیر مسٹر ممتاز حسین راٹھور، ریٹائرڈ کرنل، محمد یوسف، کرنل مشیر جاوید نظامی، میر خالد بشیر اور دوسرے کارکن میرپور جیل میں نظر بند ہیں۔

آزاد کشمیر کی تاریخ میں پہلی بار اتنی تعداد میں سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا ہے اس سے قبل صرف ۱۹۵۸ء میں جب پاکستان میں مسٹر فیروز خان نون مرحوم وزیر اعظم تھے" جنگ بندی لائن توڑ دو کی تحریک میں سینکڑوں کارکن گرفتار کر لئے گئے تھے۔ لیکن اس وقت کی حکومت نے جیل کے اندر سیاسی کارکنوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کی تھیں، اب کے بار نظر بندوں کے ساتھ ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انہیں گھر سے کھانا مہیا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور تھانہ میں کارکنوں پر تشدد بھی کیا گیا، سردار قیوم مسلم کانفرنس گروہ نے پیپلز پارٹی کے خلاف جوابی مظاہروں کی پالیسی اختیار کی۔ لیکن ان کے جلسے نہ صرف ناکام ہو گئے بلکہ مظفر آباد میں بڑی کوششوں کے بعد مسلم

باقی صفحہ ۵۰ پر

ایکسائز ڈیوٹی کا نقصان

اکبر ٹیکسٹائل ملز میرپور ٹیکسٹائل ڈیوٹی کا غلط ریٹ لگایا گیا جو کہ پاکستان میں کہیں بھی نہ تھا، اسطرح حکومت کو بجائے ۲۵۰۰۰ ہزار روپے ماہوار آمدنی کے صرف بیس ہزار روپے آمدنی ہوئی۔ اور حکومت ایک کروڑ دس لاکھ روپے نقصان میں رہی۔ یہ صرف اس لئے کہ مل مالکان سردار قیوم کو ذاتی وسیاسی اغراض کے لئے رقوم مہیا کرتے رہے۔

سیاسی رشوت

سردار قیوم کی جماعت کے جنرل سیکرٹری محمد علی کنول کے پاس ایک متروکہ مکان ہے اور اسکی مرمت کے لئے نو ہزار روپے دیئے۔ اور اس مکان کا کوئی کرایہ نہیں لیا۔ نہ ہی کسٹوڈین کو دیا۔ اور پارٹی ورکروں کو ایک سے زائد مکانات اور دوکانات الاٹ کی گئیں۔

جھنڈے کی تبدیلی

آزاد کشمیر کا جھنڈا ابتدائی جس کو قائد اعظم کی منظوری حاصل تھی۔ کو سردار قیوم نے بدل ڈالا اور نئے جھنڈوں کی تیاری پہ ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کئے۔ غازی آباد اعتکاف کے دوران کا ٹی اے اور ڈی اے اپنے اور سرکاری افسران کا سرکاری خزانہ سے وصول کیا جاتا رہا۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۵ء کے مہاجرین کی آباد کاری کے لئے نوے لاکھ روپے کا کوئی مصرف نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ تین کروڑ روپے مہاجرین کے لئے دیئے۔ اس رقم سے سلائی مشینیں خریدی گئیں جس کی تقسیم صرف اپنے ورکروں کے گھروں میں کی گئیں۔

پیپلز ورکس پروگرام

ضلع پونچھ میں پیپلز ورکس کے پروگرام کے لئے ۱۹۷۲-۷۱ء کے لئے بیس لاکھ سترہ ہزار ایک سو بیس روپے اور ۱۹۷۴-۷۳ء کے لئے بیس لاکھ بیس ہزار صفر سو انسٹھ روپے کل رقم پینسٹھ لاکھ تیس ہزار چار سو ننانوے روپے مخصوص کی گئی۔ اس میں سے تین جون ۱۹۷۴ء تک تیس لاکھ روپے خرچ دکھا گیا اس کے بعد یہ دکھایا گیا کہ بقایا رقم ٹھیکیداروں کو سکیمیں روبہ عمل لانے کے لئے تقسیم کی گئیں ہیں لیکن کوئی سکیم روبہ عمل ہوئی اور نہ ہی تکمیل ہوئی۔ یہ رقم ساری سردار قیوم اور اسکے حواری ٹھیکیدار ہضم کر گئے۔

محکمہ تعمیرات عامہ

وہ ٹھیکدار جو سردار قیوم کے دوست تھے، نے بذریعہ سردار قیوم بدون کام معطل شدہ ہیڈر سے بغیر پروین کے اور محکمہ مالیات کی مرضی کے خلاف سڑکوں کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے پانچ لاکھ ستر ہزار چار سو تیس روپے کی ادائیگی بدون کام کی گئی

۲۔ ٹائین سپنس پل کے کلیم کو جو کہ عبدالرحمن مسترد کر چکے تھے۔ کو دوبارہ سردار قیوم نے ایک لاکھ روپے کے بل کی ادائیگی ٹھیکیدار کو بذریعہ محکمہ تعمیرات عامہ کرائی۔

تعلیم

بک بینک کے لئے ایک لاکھ روپے مختص کئے گئے۔ بک بینک بھی قائم نہیں ہوا۔ لیکن رقم کے تصرف کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

1978ء میں 1954ء کی سوچ

زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

انسان چاند پر جا پہنچا۔ خلا کی تسخیر ہو رہی ہے نیوٹرون بم بنانے اور نہ بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں، انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے تحریکیں چل رہی ہیں۔

پاکستان میں کچھ لوگ ابھی تک صرف میکارتھی ازم تک ہی پہنچ پائے ہیں۔ پاکستان میں یہ سلسلہ ۱۹۵۴ء میں شروع ہوا تھا، جب کمیونسٹوں کو چن چن کر ختم کیا جاتا تھا۔ ہر انٹلی جنس تنظیم میں، کمیونسٹوں کے خلاف سیل قائم کئے جاتے تھے۔ اس وقت پوری انتظامیہ کا مشن صرف کمیونزم کا خاتمہ تھا، یا کم از کم اس کے لئے شور مچایا جاتا تھا، تاکہ ہمارے نئے آقا یا اقتصادی آقا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ۔ ڈالروں کا رخ ہم غریبوں کی طرف کر دیں۔ اس معاملے میں ہم اس حد تک آگے بڑھ جاتے تھے کہ ہم اپنی فضائیہ کے اڈے امریکہ کے حوالے کر دیتے تھے، تاکہ وہاں سے یو ٹو طیارہ اڑے اور کمیونسٹ روس کی جاسوسی کر سکے، پھر یہ بھی ہوا کہ پی آئی اے کے طیارے کمیونسٹ چین کی جاسوسی کرتے رہے۔

لیکن وقت جوں جوں آگے بڑھا، تاریخ کا پہیہ آگے گھوما تو ہم نے دیکھا کہ جب بھارت نے پاکستان کو لقمہ تر سمجھ کر نگلنا چاہا، تو ہمارے سب سے بڑے دوست، ہمارے ذہنی اور اقتصادی آقا امریکہ نے ہاتھ کھینچ لیا، ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، اس وقت کون ہماری مدد کے لئے آیا، کسی شرط کے بغیر، ہم پر کوئی پابندی لگائے بغیر، وہ کمیونسٹ چین ہی تھا۔ اس نے پابندی نہیں لگائی کہ آپ فلاں فلاں کو قید کریں۔ فلاں پارٹی کو خلاف قانون قرار دیں تب ہم آپ کی مدد کریں گے، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ پاکستان کمیونسٹوں کے خلاف جہاد میں پیش پیش رہا ہے۔ پاکستان میں کمیونسٹ لٹریچر پر پابندی عاید رہی ہے۔ کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عاید رہی ہے کمیونسٹ چین نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اسے پاکستان کی سلامتی، پاکستان کے غریب عوام کی سلامتی عزیز تھی، اس نے امداد دی، کسی قیمت کے بغیر، کسی شرط کے بغیر، پھر بھارت کو الٹی میٹم بھی دے دیا، جس سے جنگ کا پانسہ بالکل ہی پلٹ گیا۔

پاکستان اور چین کی دوستی، دنیا میں، سفارتی تاریخ میں، ایک منفرد اور ممتاز مثال رہی ہے۔ پاکستان کے عوام اور چین کے عوام نے انتہائی محبت سے ایک دوسرے کو چاہا ہے۔

حالات نے ثابت کیا کہ کمیونزم کے خلاف جہاد کر کے امریکہ کی محبت جیتنا بے سود رہا۔ ہماری حقیقی مدد کمیونسٹ ملکوں نے ہی کی۔ کمیونسٹ چین نے تو ہر شعبے میں ہر طرح سے مدد کی۔ پھر برسوں سے ہمیں جس سٹیل مل کی آرزو تھی، وہ بھی ہمیں کمیونسٹ روس نے ہی فراہم کیا۔

قیام پاکستان کے وقت بھی ہماری آزادی کی حمایت کمیونسٹوں نے ہی کی تھی، سامراجیوں نے تو ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے اصولی طور پر قیام پاکستان کی حمایت کی، اور آج جو لوگ نظریہ پاکستان کے محافظ ہیں، وہ اس وقت قیام پاکستان کی تحریک کے بدترین دشمن تھے۔ اسکے بعد بھی پاکستان کو تباہ کرنے میں ہمیشہ ان لوگوں نے پورا حصہ لیا۔ کمیونسٹوں نے ہمیشہ اپنے وطن سے محبت کی ہے۔ اول تو کمیونسٹ ہونا ہی بہت بڑی بات ہے لیکن جن لوگوں پر بھی پاکستان میں کمیونسٹ ہونے کا الزام لگایا گیا، ان کے بارے میں بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے اس ملک سے باہر کہیں وفاداریاں رکھی ہوں، یا اس قوم کے مفادات کے خلاف کچھ کیا ہو۔ قیام پاکستان کے مخالفین کی فہرست پر نظر ڈالئے۔ جماعت اسلامی۔ جمعیت علمائے ہند (جواب جمعیت علمائے اسلام ہے) مجلس احرار اسلام (نصر اللہ صاحب جس کے آثار میں سے ہیں)۔ سرخ پوش (جو بعد میں آزاد پاکستان پارٹی بنی اور پھر نیشنل عوامی پارٹی بنی اور پھر این ڈی پی کا روپ دھارا ولی خان جس کے اب باقاعدہ رکن ہیں) یہی جماعتیں پاکستان کی مخالف رہی ہیں۔ یہی جماعتیں کمیونسٹوں کی سخت مخالف رہی ہیں۔ آج یہی جماعتیں پھر پیش پیش ہیں۔ قومی حکومت کے ذریعے اقتدار پر قبضہ پانے کے لئے۔ کمیونسٹوں کو چن چن کر ختم کرنے کے لئے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی نے چین اور ایشیا کے عظیم رہنما چیئرمین ماؤزے تنگ کے خلاف بھی مہم شروع کر دی تھی جس پر چینی سفارت خانے نے باقاعدہ احتجاج کیا تھا۔

زمانہ اتنی دور چلا آیا ہے، پاکستان میں ۳۰ سال کے سفر نے ثابت کر دیا کہ کمیونسٹوں کو پاکستان دشمن کہنا یا سمجھنا بتدریج غلط ثابت ہوا ہے۔ وطن دشمن وہی ہیں، جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی پھر آج دنیا جس مقام پر پہنچی ہے۔ وہاں کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ کی تعریف سفارتی طور پر کوئی فائدہ

بقیہ صفحہ ۴۹ پر

عابد زبیری

ولی خاں سے ناطہ توڑ کر بھاشانی
نیپ کے مدارالمہام عابد زبیری آجکل
پھر ولی خان کی این ڈی پی کے نفسِ ناطقہ
ہیں۔ نفیس صدیقی کو دھوبی پٹرے کے

داؤ سے پچھاڑ کر وہ این ڈی پی کے
سیکرٹری اطلاعات بن گئے ہیں۔
پارٹیوں کے سیکرٹری اطلاعات
اہم بھی ہوتے ہیں پراسرار بھی۔ حوالے کے
لئے دیکھئے پیپلز پارٹی کے سابق سیکرٹری
اطلاعات مولینا کوثر نیازی کا کردار)
قومی حکومت کے سلسلے میں این ڈی پی
کے زبانی اور عملی موقف کے اظہار کا شرف
عابد زبیری صاحب کو ہی ہوا ہے۔ قومی
اتحاد کے سربراہ مفتی محمود بڑے پریشان
ہیں کہ یہ کھیل مزاری کا ہے، زبیری کا یا
ولی کا۔ عابد زبیری بڑے کہنہ مشق
سیاسی کارکن ہیں۔ مفتی، مزاری۔ جیسے
رہنماؤں کو رام کرنا تو ان کے بائیں ہاتھ
کا کھیل ہے۔ اور وہ ہمیشہ بائیں بازو
کو ہی استعمال کرتے رہتے ہیں۔

نذیر ناجی

نذیر ناجی ان دنوں خبروں میں ہیں
چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جنرل ضیاءالحق
نے انہیں الٹا لٹکانے کی دھمکی دی تھی۔
شکر ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئی۔ نذیر
ناجی رضا کارانہ طور پر یہ کام کر رہے ہیں
قریباً ہر دوسرے تیسرے دن ان کے
بارے میں یا ان کی قلم سے سنسنی خیز
انکشافات سامنے آ رہے ہیں۔ نذیر ناجی
الٹا لٹکائے جانے سے پہلے جس کیمپ
میں تھے۔ وہاں ہوتے ہوئے انہیں جیل
جانا پڑتا تھا۔ اخبار چلانے کے لئے دوڑ
دھوپ کرنا پڑتی تھی۔ لیکن جب سے وہ
نئے کیمپ میں گئے ہیں سرکاری اخبارات

ان کے اداریوں کو صفحۂ اول پر چھاپتے
ہیں۔ کچھ دن بعد 'مساوات' کے بیلیشر کی
طرح ان کے بیان ریڈیو اور ٹیلیویژن
سے بھی آنے لگے ہیں۔
ع غربت میں جاکے چمکا گمنام تھا وطن میں

فہمیدہ نسرین کاظم پاشا

کراچی ٹیلیویژن اسٹیشن کی پروڈیوسر فہمیدہ نسرین اور کاظم پاشا کی شادی کی
تقریب گذشتہ دو سال سے ماہ بہ ماہ سفر کر رہی تھی۔ کبھی کاظم پاشا کا ٹرانسفر
پنڈی ہو جاتا تھا تو کبھی ان کی بہن باہر چلی جاتی تھیں اور کچھ نہیں تو فہمیدہ کسی نہ کسی
مسئلہ میں گرفتار ہو جاتی تھیں۔

اس صورت حال میں لگتا تھا سماج ان کی راہ میں روپ بدل بدل کر حائل ہو رہا
ہے۔ لیکن ۱۴ اپریل کی شام کو رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کے ان دونوں نے
سماج کو شکست دے دی ہے۔

پاکستان کے ممتاز اخبار نویس
ایچ کے برکی کے قلم سے،

مسٹر بھٹو کی سزائے موت کیخلاف عالمی ردِ عمل کیوں؟

بین الاقوامی معاملات میں مسٹر بھٹو کے تجربہ کی گہرائی اور وسعت اور کسی رہنما کو حاصل نہیں ہے

لاہور ہائی کورٹ سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ملنے والی سزائے موت پر دنیا بھر نے جو رد عمل ظاہر کیا اس سے سابق وزیر اعظم کے مخالفین کو واضح طور پر بہت پریشانی ہوئی، انہوں نے اس پر واویلا بھی کیا اور مشتعل بھی ہوئے، پیپلز پارٹی کے چیئرمین سے انکی اندھی دشمنی کے پیش نظر ہو تو ان کا یہ رویہ غیر متوقع نہیں ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس عالمی ردّ عمل پر خود مسٹر بھٹو کے حامی اور بہی خواہ بھی تعجب میں رہ گئے ہیں لیکن جو لوگ مسٹر بھٹو کے ریکارڈ کو جذباتیت سے ہٹ کر مطالعہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو وہ جان سکتے ہیں کہ غیر ملکی مدبرین کی یہ اپیلیں سابق وزیر اعظم کی عالمی حیثیت کا حقیقی معیار ہیں، اور ہمارے سفید پوشوں کی اکثریت جذباتیت سے ہٹ کر مطالعے کی صلاحیت سے محروم ہے، آیئے ہم مسٹر بھٹو کے ریکارڈ کو یاد کریں۔

گذشتہ سولہ یا سترہ سال میں پہلے وزیر خارجہ پھر صدر، پھر وزیر اعظم کی حیثیت سے انہیں دنیا کے ہر رہنما اور مدبر سے مشرق میں یا مغرب میں شمال میں یا جنوب میں ایک بار اور اکثر سے کئی بار ملاقات بھی کر چکے ہیں اور قریباً تمام بڑے بڑے معاملات پر مذاکرات بھی کر چکے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی بڑے یا چھوٹے ملک کا کوئی دوسرا رہنما بین الاقوامی معاملات میں مسٹر بھٹو کے تجربے کی گہرائی اور وسعت نہیں رکھتا۔ یہ بات اس حقیقت کے پورے شعور کے ساتھ کہی جا رہی ہے کہ مارشل ٹیٹو بھی ابھی زندہ ہیں اور شہنشاہ ایران بھی اپنے اقتدار کے عروج پر ہیں، اور دونوں انتہائی ممتاز شخصیتیں ہیں پاکستان کے نمائندے کے طور پر ذوالفقار علی بھٹو گذشتہ دو عشروں کے ہر عالمی رہنما ناصر، نہرو، سوکارنو فیصل، قذافی، بومدین، اسد، شہنشاہ، ڈیگال، کنیڈی، جانسن، نکسن، خروشچیف، برزنیف اور ان سب سے بڑھ کر ایشیا کے دو عظیم ترین رہنماؤں

بین الاقوامی تشویش کے اظہار میں کارفرما، خطرے کا احساس

۱۹۷۱ء کے شرمناک داغ کو دھویا اور پاکستان کو استحکام اور معقول حد تک مہذب مملکت بنا دیا

ماؤزے تنگ اور چواین لائی سے ذاتی طور پر بھی شناسا تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ سفارتی تبادلۂ خیال بھی کر چکے تھے، اس طرح کا تجربہ کسی اور مدبر کو حاصل نہیں ہوا۔ اسی لئے مسٹر بھٹو کے مرتبے اور اعتماد کو دنیا بھر میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر بھٹو تمام سچی تحریکوں کے چیمپئن رہے اب ایسی شخصیت کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس پر تشویش کا با آواز بلند اظہار کیا تعجب خیز ہے۔

اگر مسٹر بھٹو کو صرف پاکستان کے رہنما کی حیثیت سے بھی دیکھیں، تو وہ ایسے دعوے کرنے والے دوسرے تمام، افراد سے زیادہ قد آور ہیں، ایک اخباری نمائندے کی حیثیت جس نے ۱۹۷۱ء کی سردیوں میں ایک، جمعیتہ اقوام متحدہ میں گزارا ہو، آج یاد آتا ہے کہ اس وقت پاکستان کی کتنی بھیانک حیثیت بن چکی تھی۔ اور اس سال کے آخر میں سقوطِ ڈھاکہ نے اس میں ذلت و رسوائی بھی شامل کر دی تھی، اپنے ساڑھے پانچ سالہ دور اقتدار میں پاکستان کے قائد کی حیثیت سے مسٹر بھٹو نے اس شرمناک داغ کو بھی صاف کیا، اور پاکستان کو ایک مستحکم اور معقول حد تک مہذب مملکت کے طور پر استوار کیا

مسٹر بھٹو کی انتہائی نمایاں سفارتی کامیابیوں میں سے ایک شملہ معاہدہ بھی تھا۔ شملے میں ان کے ہاتھ میں کوئی پتہ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک شکست خوردہ قوم کے قائد تھے۔ ۵ ہزار مربع میل کا علاقہ اور نوے ہزار پاکستانی قیدی بھارت کے قبضے میں تھے انکے پاس صرف غیر ملکی طاقتوں کی وہ سفارتی حمایت تھی، جو انہوں نے اپنے تیز رفتار غیر ملکی دوروں سے حاصل کی تھی، لیکن اپنی ماہرانہ مذاکراتی استعداد کی بدولت مسٹر بھٹو پاکستانی علاقہ خالی کرانے میں بھی کامیاب ہو گئے اور بالآخر نوے ہزار قیدیوں کی رہائی کا سہرا بھی انہی کے سر رہا۔

مسٹر بھٹو کے اپنے ہم وطنوں، بالخصوص برسر اقتدار حلقے نے اپنے جنون میں مسٹر بھٹو کی ان نمایاں خدمات کو فراموش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس لئے یہ ذمہ داری پاکستان میں برطانیہ کے ایک سابق سفیر پر آپڑی ہے کہ وہ "ٹائمز لندن" میں ایک خط کے ذریعے مسٹر بھٹو کی یہ اور دوسری خدمات کو یاد دلاتے اور ان کے ساتھ آجکل کے سلوک کو "سفاکانہ احسان فراموشی" کا نام دے

بین الاقوامی تشویش کے اس اظہار کے پس منظر میں کارفرما ایک محرک دراصل اس خطرے کا احساس بھی ہے کہ پاکستان رفتہ رفتہ پھر ۱۹۷۱ء کی بربریت کی طرف لوٹ رہا ہے۔ بہرحال بیرونی دنیا بے خبر نہیں ہے سابق ارکان اسمبلی، وکلاء سمیت سیاسی کارکنوں کے جسم کوڑوں کی زد میں ہیں۔ ہزاروں سیاسی کارکن جیلوں میں ہیں، جن میں سابق وزراء ارکانِ اسمبلی، فوجی جنرل، جج، صحافی اور کارکن خواتین شامل ہیں۔ اس طرح مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۱ء کے بدنما ریکارڈ کو صاف کرنے کے لئے جس طرح انتھک کوشش کی جس طرح ملک کو پھر ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچایا۔ اور بین الاقوامی برادری میں پاکستان کو ایک باوقار مقام دلانے کی جدوجہد کی، آج ان تمام کوششوں پر بتدریج پانی پھر رہا ہے۔

بھٹو اور بھٹو ازم سے نفرت کے جنون میں جو سیاسی عناصر اپنا توازن کھو چکے ہیں، وہ ممکن ہے

> دوست ممالک کی اپیلوں
> کو اندرونی معاملات میں
> مداخلت نہیں کہا جا سکتا

حالات کی رفتار اور سمت سے مطمئن ہوں کیوں کہ انہیں نہ اس بات کی پرواہ ہے کہ باقی دنیا ہمارے بارے میں کیا سوچتی ہے اور قوم کو اس کے کیا نتائج درپیش ہوں گے۔ اپنی اسی غیر متوازن ذہنی کیفیت کے سبب انہوں نے مضحکہ خیز انداز میں ان پہلوؤں کو اور بہت قریبی دوست ملکوں کی اپیلوں کو بھی پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیا ہے۔ پی این اے کے رہنما شاید اسلام آباد میں غیر ملکی سفارت خانوں کے اپنے دورے، اور ایک منتخب حکومت کے خلاف یادداشتیں پیش کرنے کو بھول گئے ہیں، اسی طرح گذشتہ سال پی این اے کی سازشی تحریک کے دوران لاہور بار نے صدر کارٹر اور صدر برزنیف کو اپنے احتجاج کی حمایت میں مداخلت کی دعوت دی تھی۔

صاف ظاہر ہے کہ مسٹر بھٹو کے مخالفین کا یہ تلخ اور جانبدارانہ رویہ ان کی انہی کوششوں کا حصہ ہے جس کے تحت وہ پاکستان پیپلز پارٹی کو ووٹ کی پرچی کے علاوہ ہر ممکن طریقے سے تباہ کرنا چاہتے ہیں لیکن کوئی بھی ذی ہوش پاکستانی اتنا نہیں گر سکتا کہ وہ اپنے وطن کے مستقبل اور سلامتی کے اہم معاملات کو بھول جائے۔ اور نہ ہم بین الاقوامی برادری کے ردعمل کو نظر انداز کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

جبراً برطرف کئے گئے پاکستان کے سابق صدر منتخب وزیر اعظم کو ملنے والی سزائے موت کے خلاف قریباً ساری دنیا نے ہی دلیلیں دی ہیں۔ نمایاں استثنا صدر کارٹر کا ہے، اور وہ قابل فہم بھی ہے، کسی انتخاب کے بغیر اس بدقسمت قوم کی باگ ڈور سنبھالنے کی ذمہ داری جنہوں نے سنبھالی ہوئی ہے، یہ ان کا فرض ہے کہ وہ ان سب امور پر اس سے پیشتر ہی غور کر لیں، جب بہت دیر ہو جائے۔ اور وقت کی رفتار ان کے قابو میں نہ رہے۔!!

یارو! میری رگوں میں مارشل لاء کا زہر اتر چکا ہے

مارشل لاء کی طاقت ایک مادر پدر آزاد اسٹیٹ مشنری ہے

ملک کے ممتاز قانون دان جناب اعجاز حسین بٹالوی کی ایک معرکتہ الآراء تقریر

مارشل لاء کا دوسرا ہدف عدلیہ کی آزادی تھی۔ ۱۹۵۶ء کا آئین پاکستان نے بڑی منتوں مرادوں سے بنایا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان ایک ہی وقت میں آزاد مملکتوں کی صورت میں رونما ہوئے تھے ہندوستان نے بغیر کسی تاخیر کے اپنا آئین مرتب کر لیا۔ مگر ہماری دستور ساز اسمبلی اپنے ذہنی تضادات اور سیاسی ریشہ دوانیوں کے دلدل میں پھنسی رہی، یہاں تک کہ آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس کے ایک اہلکار نے جو ترقی کر کے ملک کی مسند صدارت تک جا پہنچے تھے اور پاکستان کے گورنر جنرل تھے، دستور ساز اسمبلی کو منسوخ کر دیا۔ فیڈرل کورٹ پر مولوی تمیز الدین خان کے مقدمے کا وہ بوجھ آ پڑا جس سے اس کی عہدہ برائی ابھی تک متنازع فیہ مسئلہ چلی آ رہی ہے۔ خدا خدا کر کے پاکستان بن جانے کے کوئی نو برس بعد ۱۹۵۶ء کا آئین وجود میں آیا۔

اس آئین میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی تھی۔ وہ تمام آئین جن میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جاتی ہے، ان حقوق کا نگران عدلیہ ہی کو مقرر کرتے ہیں۔ پاکستان میں بھی ۱۹۵۶ء کے آئین کے مطابق یہ ذمہ داری عدالت عالیہ اور سپریم کورٹ کے حوالے کی گئی تھی۔ بیسویں صدی کے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر معاشروں میں سٹیٹ مشینری طاقت کا زبردست سرچشمہ بنتی جا رہی ہے۔ اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے کم ترقی یافتہ ملکوں میں عوام کی بے بضاعتی اور کم علمی کی وجہ سے سٹیٹ مشینری کی طاقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ فرد کی آزادی کو سٹیٹ کی اس زبردست طاقت کے پنجۂ ستم سے بچانے کے لئے اور ملک میں آزادیٔ اظہار اور آزادی رائے کا توازن پیدا کرنے کے لئے شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دی جاتی ہے۔ فرد اور حکومت کے درمیان آویزش کی صورت میں آئین کی رو سے عدلیہ کو منصفی کا حق دیا جاتا ہے۔ عدلیہ ہی کو بنیادی حقوق کا نگران اور غاصبانہ قانون کو رد کرنے والا منصف قرار دیا جاتا ہے۔ عدالتوں ہی کے دم سے آزادیٔ اظہار کے پودے پھلتے پھولتے ہیں اور انہی کے دم سے شہری آزادیوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ عدلیہ اپنا کردار مؤثر طریقے سے ادا نہ کرے یا اس کے راستے مسدود کر دیئے جائیں تو معاشرہ بنیادی طور پر ظالم اور غیر مہذب ہو جاتا ہے جس معاشرے کی بنیاد عدل پر نہ ہو، جہاں مجرموں کو سزا نہ ملتی ہو، جہاں لوگوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں اور جہاں عدلیہ کو آزادی سے اپنا کام نہ کرنے دیا جائے، اس معاشرے کے بارے میں جان لیجئے کہ وہ خودکشی کے عمل میں مبتلا ہے۔

مارشل لاء STATE POWER میں کسی اور کی شرکت گوارہ نہیں کرتا، لہٰذا پاکستان میں جب بھی مارشل لاء لگا اس کا سب سے بڑا ہدف، لیکن سب سے بڑا حریف عدلیہ ہی کو بننا پڑا۔

عدلیہ کے بارے میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے۔ جوڈیشری کے پاس کوئی اپنی جسمانی طاقت، کوئی ہتھیار، کوئی استبدادی قوت نہیں ہوتی۔ عدلیہ کی اصل طاقت وہی قوت ہوتی ہے جو معاشرہ اسے تفویض کرتا ہے۔ اس کے اختیارات کا سرچشمہ تو قانون اور آئین ہوتے ہیں۔ اسی لئے عدل کے فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے عدلیہ کو کلی آزادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے ملک میں ایک خاص طرح کی فضا اور عدلیہ کا بھرم قائم رکھنا پڑتا ہے۔ کسی مہذب ادارے میں انتظامیہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آنی چاہیئے کہ عدلیہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی جا سکتی ہے۔ اس بھرم کو قائم رکھنے کے لئے عدالت کے منصب اور اس کے قواعد و ضوابط کا انتہائی احترام ملحوظ رکھنا پڑتا ہے کیونکہ ان آداب کے بغیر یہ بھرم قائم نہیں رہتا۔

آپ نے مہذب خاندان کے نوجوانوں کو اپنے بزرگوں کا احترام کرنے، ان کے سامنے ادب سے بات کرنے اور ان کے آنے پر کھڑے ہو کر ان کی پذیرائی کرتے دیکھا ہوگا۔ یہ نوجوان جسمانی قوت کے اعتبار سے ان سے کہیں برتر ہوتے ہیں۔ بزرگوں کا احترام ان کی جسمانی قوت کا احترام نہیں۔ ان کی بزرگی کا احترام ہوتا ہے اس لئے کہ اس احترام کے بغیر معاشرے سے اقدار عالیہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

بہت سے دانشور روزِ اوّل ہی سے مارشل لاء کے شریکِ کار ہو گئے

میری دانست میں کسی معاشرے میں عدلیہ کا احترام محض ایک رسم نہیں، ایک لازمی معاشرتی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اسی احترام سے عدلیہ کی روایت پروان چڑھتی ہے۔ جس معاشرے کی بنیاد عدل پر نہ ہو، جان جائیے کہ وہ معاشرہ تباہی کو دعوت دے رہا ہے۔

پاکستان میں جب بھی مارشل لاء لگا۔ بنیادی حقوق معطل کر دیئے گئے۔ قانون ساز ادارے ختم کر دیئے گئے۔ آئین کی وہ شقیں منسوخ کر دی گئیں جن کی رو سے عدالتوں کو بنیادی حقوق کی حفاظت کا فریضہ سونپا گیا تھا اور پھر یہ حکم بھی جاری کر دیا گیا کہ عدالتوں کو قطعاً اس امر کا حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ مارشل لاء کے کسی حکم یا ضابطے کے ماتحت ہونے والی کسی کارروائی کو زیرِ بحث لائیں یا اسے کالعدم قرار دیں اور عدالتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مارشل لاء اتھارٹی سے کسی قسم کی باز پرس کریں۔ گویا مارشل لاء کی طاقت ایک مادر پدر آزاد سٹیٹ مشینری ہے۔ جس کی صریحاً بے انصافی پر بھی کوئی حرف گیری یا چارہ جوئی نہیں کی جا سکتی۔

ایسے موقعوں پہ پاکستان میں عدلیہ کا کردار اپنی خاموش متانت، گہری ذہانت اور باوقار جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر کسی طرح کی مجادلت ملک کے لئے مزید بربادی کا باعث بن سکتی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ عدلیہ کے منصب کو زک نہ پہنچنے دی جائے۔ اور عدل کے سرچشموں کو غاصب کی دستبرد سے جس قدر محفوظ کیا جا سکے کر لیا جائے۔ مارشل لاء کے آشوب میں بھی جسٹس کیانی اور جسٹس شبیر جیسے لوگ عدل کی شمع کو آتی جاتی آندھیوں سے بچائے رکھتے ہیں۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے دوران جسٹس کیانی نے جس کردار کا مظاہرہ کیا، بعض لوگ انگلستان اور امریکہ کے عظیم المرتبت ججوں سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے جسٹس کیانی کے کردار پہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ عدالت عالیہ کے چیف جسٹس ہوتے ہوئے ایک اعتبار سے ملکی سیاست میں ملوث ہو گئے تھے، لیکن وہ لوگ یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ انگلستان کے کسی عظیم المرتبت جج کو مارشل لاء کے زمانے میں عدالتِ عالیہ کی منصفی کرنے کے مشکل کام سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ یہ صورت حال صرف پاکستان جیسے ملکوں کی عدلیہ کا مقدر ہے۔

مارشل لاء کے آشوب سے دو مرتبہ گذر جانے کے بعد اب پاکستانی معاشرے کو اس امر کا حق الیقین ہو جانا چاہیئے کہ عدلیہ ہمارے ہاں ایک معاشرتی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور وہ لوگ جو اس سماجی بنیاد کو کمزور کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستانی معاشرے کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کرتے۔ عدلیہ کے کام میں رخنہ اندازی یا ان کے اختیارات کے غلط استعمال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ نے گاؤں کے اس کنوئیں میں زہر ملا دیا جس سے گاؤں کے ہر آدمی کو اپنی پیاس بجھانا تھی۔

آپ نے پاکستان میں وہ مناظر بھی دیکھے ہوں گے کہ ہمارے بعض سیاستدان جب اپنی طاقت کے عروج پہ تھے تو عدالتوں کے اختیارات کو کم کرنے میں لگے رہے۔ طاقت کے نشے میں وہ عدلیہ کے کام کو غیر ضروری اور حکومت کے کاروبار میں حائل سمجھتے رہے اور جیسے ہی وہ اپنی سیاسی کرسی سے الگ ہوئے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے انہوں نے سیدھا عدالت کا رخ کیا اور اسی ادارے سے پناہ کے طالب ہوئے۔ اگر کسی معاشرے میں STATE POWER کے سامنے فرد کے حقوق کی حفاظت کا یہی ایک مؤثر ادارہ ہے تو پھر ہمیں اس کشتیٔ نوح کو کمزور کرنے کے بجائے زیادہ طاقتور بنانا چاہیئے کیونکہ ہر طوفان میں یہ کشتی ہماری حفاظت کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

دو اور سماجی اداروں کا تذکرہ ابھی باقی ہے۔ ایک پاکستان کی سیاست اور دوسرے پاکستان کی بیوروکریسی یا افسر شاہی۔ یہ نوکری پیشہ لوگ، جو CIVIL SERVANTS کہلاتے ہیں۔ پاکستان کی انتظامیہ کی ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔ کوئی حکومت ان کے بغیر اپنا کام نہیں چلا سکتی۔ ترقی پذیر ملکوں میں ان کا کردار اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ سول سروس کی روایات ہم نے برطانیہ سے لی ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان روایات میں اصلاح کی ضرورت ہے، لیکن یہ اصلاح ایسی نہیں ہونی چاہیئے کہ سرکاری ملازموں کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے اور وہ کسی کام کے نہ رہیں، ان کا INITIATIVE ختم ہو جائے، قوت فیصلہ ضبط کر لی جائے اور انہیں مٹی کا مادھو بنا کر رکھ دیا جائے۔

ایک انگریزی محاورے کے مطابق شیطان کو بھی اس کا حق ملنا چاہیئے۔ سرکاری ملازموں کو مطعون کرتے وقت ہمیں ایک چیز کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ماضی میں سیاست دانوں نے جب وہ برسر اقتدار ہوتے تھے اپنی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر سرکاری ملازموں کو اپنے اختیارات کو غلط طور پر استعمال کرنے پر مجبور کیا۔ یہ درست ہے کہ سرکاری ملازموں کا یہ اخلاقی فرض تھا کہ وہ ایسے موقع پہ انکار کرتے، لیکن ایسے ملک میں جہاں اس قدر اقتصادی بدحالی ہو، نچلے اور نچلے متوسط طبقے کے لوگوں سے اس جرأت کی توقع رکھنا فضول ہوتا ہے، اس لئے جب تک اس صورت حال کا سدِّ باب نہیں ہوتا ساری ذمے داری سرکاری ملازموں کے کندھوں پر نہیں رکھی جا سکتی۔

انگلستان میں پبلک پالیسی کے مطابق تمام افسر شاہی ملکہ کی رضا پہ ملازمت کرتی ہے۔ یعنی حکومت جب چاہے انہیں ملازمت سے الگ کر سکتی ہے۔ دوسری طرف اسی پبلک پالیسی کا تقاضا ہے کہ ان کی ملازمت، سزا و جزا اور برطرفی کے قوانین پہلے سے مرتب کر دیئے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے۔ مارشل لاء نے ہر مرتبہ بڑے طمطراق سے تطہیر کا کام شروع کیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اور جب خود رخصت ہوئے تو بڑے بڑے مارشل لائی افسر بھی ان ہی الزامات کے مورد ٹھہرے جن کے لئے بہت سے سرکاری ملازموں کو تہ تیغ کیا گیا تھا سرکاری افسروں کی بھرتی، ان کی ملازمت اور برطرفی صرف پاکستانی حکومت کا مسئلہ نہیں، من حیث القوم پورے پاکستان کا مسئلہ ہے۔ معاشرے کو دیانت دار، با اخلاق اور محنتی سول سروس کی ضرورت ہے۔ ان کا ضابطۂ ملازمت پہلے سے طے شدہ ہونا چاہیئے اور اس پر

باقی صفحہ ۵۰ پر

اندرا بھٹو خفیہ معاہدہ کا واویلا
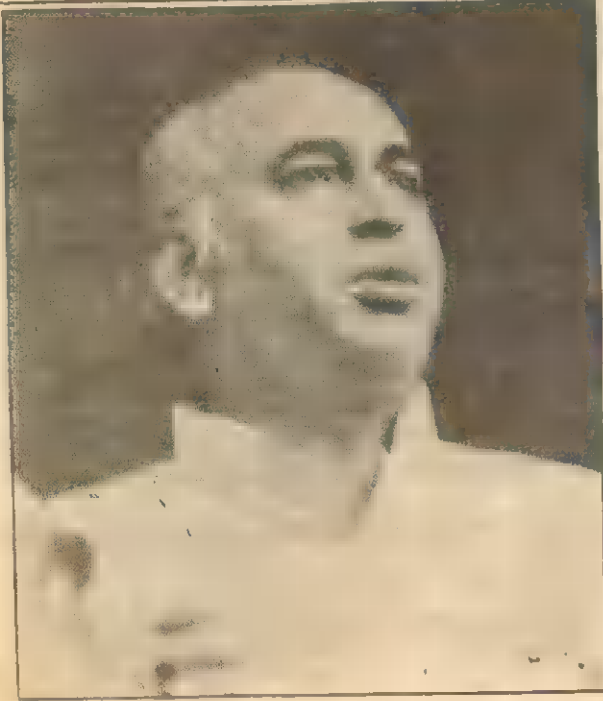
سلال ڈیم معاہدے کے مضمرات پر پردہ ڈالنے کے لئے تو نہیں ہے

بات واجپائی سے شروع ہوئی اور پاکستان کے اخبارات تک جا پہنچی۔

واجپائی صاحب وہی ذات محترم ہیں جو ایک زمانے میں جن سنگھ کے سربراہ تھے، اکھنڈ بھارت کے کٹر حامی تھے۔ ان کی جماعت نے اب بھی اپنا موقف نہیں بدلا، صرف ہتھکنڈے بدلے ہیں۔ ہمارے ملک کی دائیں بازو کی پارٹیوں اور اخبارات کے نزدیک واجپائی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے مارچ ۱۹۷۷ء تک انتہائی قابل نفرت، مسلمانوں کے سخت دشمن اور پاکستان کے وجود کے انتہائی مخالف تھے لیکن جب سے موجودہ حکومت نے انہیں پاکستان کے خیرسگالی دورے پر آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے لاہور میں مٹھائی کھائی اور مولا بخش کے پان کھائے، اس وقت سے ان کی ہر بات مستند ہوگئی ہے۔ اور وہ انتہائی قابل اعتبار ہوگئے ہیں۔ اب بزعم خود پاکستان کے وجود کے نہیں بلکہ نظریۂ پاکستان کے محافظوں نے ان کے بیانات میں پاکستان کے خلاف پوشیدہ دشمنی کو نظرانداز کرنا شروع کردیا ہے۔ یہ ان کی خود فریبی ہے یا یہ پاکستان کو اکھنڈ بھارت میں تبدیل کرنے کے سلسلے میں واجپائی کی ہم خیالی کا نتیجہ ہے۔

سلال ڈیم کے سلسلے میں معاہدے سے پہلے کشمیر پر خفیہ معاہدے کے سلسلے میں بھی واجپائی صاحب کا بیان آیا اسے اتنی اہمیت حاصل نہ ہوسکی لیکن محکمۂ خارجہ میں بہرحال یہ بات چل نکلی تھی۔ سلال ڈیم کا معاہدہ خوش اسلوبی سے طے پاگیا تو اس کے بعد ایک دم پہلے بھارتی اخبارات اور پھر پاکستانی اخبارات نے خفیہ معاہدے کا واویلا مچا دیا۔

ایسے دو ملک جن کی روایتی دشمنی گذشتہ ۳۰ سال اور پھر گذشتہ ایک ہزار برس کو محیط ہے ان کے درمیان ایک دم اتنا اشتراک عمل کیوں ہوگیا کہ وہ ایک خبر سے ایک سا سلوک ہی کرنے لگ گئے ہیں جبکہ کشمیر کا تنازعہ جو دونوں ملکوں کے درمیان تین جنگوں کا سبب بنا جس کے سبب دونوں ملک دفاعی تیاریوں پر اربوں روپے خرچ کرتے رہے ان کے عوام کی اقتصادی حالت درست نہ رہ سکی۔ اور وہ تنازعہ جو ہزاروں قیمتی جانوں کی ہلاکت کا سبب بنا۔ وہ تنازعہ اسی طرح موجود ہے لیکن دونوں ملک ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے ہیں کہ اب وہ ایک طرح سے سوچ رہے ہیں ایک طرح سے خبریں دے رہے ہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل ہندوستان پر ہندوستان کی تقسیم کی مخالف متعصب جن سنگھی سوچ غالب ہے اور پاکستان پر بھی ہندوستان کی تقسیم کی مخالف قیام پاکستان کی دشمن جماعت اسلامی کی سوچ غالب ہے۔ دونوں طرف اصل حقائق کو چھپانے کے

قوم اور ملک کے مفاد میں مسٹر بھٹو کو جب

لئے محض شخصیتوں کی مخالفت کا ڈھونگ رچا کر عوام
کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔

سلال ڈیم پر جناب فتحیاب علی خان کا بیان
اور سندھ طاس کا متن منسلک ہے۔ جو حقیقت حال
کو واضح کرتا ہے۔ سلال ڈیم۔ پر پاکستان نے بھارت
سے اتفاق رائے کے بعد کچھ ایسی صورت پیدا کردی، جیسے
اس نے مقبوضہ کشمیر پر بھارت کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر
لیا ہے کیونکہ مقبوضہ کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کا موقف
یہ رہا ہے کہ یہ ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ یہاں کے عوام
کو اس کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا حق ملنا چاہیئے ہندوستان
یا پاکستان کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہاں اپنے
قوانین نافذ کرے۔ اپنے اقتدار کا دائرہ وہاں تک لے
جائے۔ آج تک مقبوضہ کشمیر میں بھارت نے جو کچھ بھی
کیا، پاکستان نے کسی بھی اقدام کو تسلیم نہیں کیا۔ سندھ طاس
کے معاہدے پر پاکستان کے محب وطن عناصر نے اسی
لئے احتجاج کیا تھا کہ ان میں جن دریاؤں کے بارے میں
طے کیا گیا تھا ان میں سے اکثر کشمیر سے بہتے ہوئے آتے
ہیں اس لئے ان دریاؤں کے بارے میں کسی مسئلے پہ
بات کرنا بھی کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کے مسلمہ موقف
کی خلاف ورزی تھا۔

آرٹیکل ۱

تعریفات

اس معاہدے میں استعمال کردہ

(۱) اصطلاحات "آرٹیکل" اور "تتمہ" کا مطلب
اس معاہدے کا آرٹیکل اور تتمہ ہے۔ بجز اس کے کہ
اشارہ کردیا جائے۔ پیراگراف کے لئے حوالے آرٹیکل اور
تتمہ میں ان پیراگراف کے لئے ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔

(۲) دریا کے معاون کی اصطلاح سے مراد کوئی بھی
آبی راستہ ہے، جو جاری ہو، یا رک رک بہتا ہو، اور اسکا
کوئی بھی نام ہو، جس کا پانی قدرتی طور پر ایک دریا میں
جا کر گرتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک معاون، ایک برساتی
نالہ، قدرتی ڈرینج، مصنوعی ڈرینج، ندی نالہ، نالے،
کھڈ، جھیل۔ اصطلاح میں وہ ذیلی طفیلی یا شاخ یا ذیلی
آبی راستہ خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو۔ اس کا پانی براہِ
راست، یا کسی دوسری طرح اس آبی راستے میں بہتے ہوں

(۳) اصطلاح "سندھ"، "جہلم" "چناب"
"راوی" "بیاس" یا "ستلج" سے مراد اس نام کا
دریا (اس) سے ملحقہ جھیلیں اگر کوئی ہے، اسکے تمام
معاون، تاہم بشرطیکہ

ا: مندرجہ بالا موسومہ دریاؤں میں سے کوئی بھی
طفیلی نہیں خیال کیا جائیگا۔

ب: چناب میں پنجند کو بھی شامل کیا جائیگا اور

ج: دریائے چندرن اور دریائے بھاگا چناب
کے طفیلی تصور کئے جائیں گے۔

(۴) انڈس جہلم، چناب، ستلج، بیاس یا راوی
کے ساتھ "خاص" کی اصطلاح کا مطلب موسومہ دریا
کا خاص بہاؤ ہوگا جس میں معاون دریا شامل نہ ہونگے
لیکن اس دریا کے خاص بہاؤ کے تمام نالے اور شاخیں
اور ایسی رابطہ قائم کرنے والی جھیلیں شامل ہوں گی
جو اس کے خاص بہاؤ کا حصہ ہوں۔ خاص جہلم ویری
ناگ تک اور خاص چناب دریائے چندرا اور دریائے
بھاگا کے سنگم تک سمجھا جائے گا۔

(۵) "مشرقی دریا" کی اصطلاح سے ستلج بیاس
اور راوی متحدہ طور پر سمجھے جائیں گے۔

(۶) "مغربی دریا" کی اصطلاح سے دریائے
سندھ، جہلم اور چناب متحدہ طور پر سمجھے جائیں گے۔

(۷) "دریا" کی اصطلاح سے تمام دریا۔ ستلج
بیاس، راوی، سندھ، جہلم اور چناب مراد ہوں گے۔

(۸) "اتصالی جھیل" سے مراد کوئی بھی ایسی جھیل
ہے جو ان دریاؤں میں سے کسی سے پانی حاصل کرتی ہو
یا پانی کی نکاسی کرتی ہو۔ لیکن کوئی ایسی جھیل جو کبھی
کبھار بے ضابطہ طور پر ان دریاؤں میں سے کسی سے
پانی کا ایک بہاؤ موصول کرتی ہو اور پھر وہ سارے کا سارا
پانی یا اس کا ایک حصہ واپس کردیتی ہو، اتصالی جھیل
نہیں ہے۔

(۹) "زرعی استعمال" کی اصطلاح سے مراد
آبپاشی کے لئے پانی کا استعمال ہے سوائے اس
آبپاشی کے جو گھریلو باغات اور عام تفریحی باغات
میں کی جائے۔

(۱۰) "گھریلو استعمال" کی اصطلاح سے مراد
پانی کا حسب ذیل مقاصد کے لئے استعمال ہے۔

(الف) پینا، دھونا، نہانا، تفریحات،
حفظان صحت (بشمول گندے نالوں کے ذریعہ تبدیلی
و آلودگی اور صنعتوں اور دوسرے ذرائع سے پانی کا
زیاں) مویشی و مرغبانی اور اسی نوعیت کی دوسری ضرورتیں

(ب) گھریلو اور بلدیاتی مقاصد (بشمول باغات
اور عام تفریحی باغات

(ج) صنعت
اسی قسم کے دوسر
اصطلاح میں زرعی
لئے استعمال شامل

(۱۱) "غیر
مراد جہازرانی، شہتیر
سے تحفظ یا سیلاب
ماہی، پرورش و
کے لئے پانی پر کنٹ
اس طرح قابلِ رکھ
یا تبخیر کے ذریعے
سوا (غیر تخفیف
دائرے میں ہو

...سے بیان جاری کرنے کی اجازت دی جائے

سلال ڈیم پر معاہدے کے ذریعے تو پاکستان نے پہلی بار مقبوضہ کشمیر میں ہندوستان کے کسی اقدام کو باقاعدہ تسلیم کر لیا ہے بلکہ معاہدے پر دستخط کر کے اس کے ساتھ باقاعدہ شریک ہو گیا ہے۔

سیاسی سرگرمیوں کی آزادی نہیں ہے ورنہ سلال ڈیم کے معاہدے پر پاکستانی عوام کا ردعمل سامنے آ جاتا۔ جن لوگوں کو سیاسی سرگرمیوں کی اجازت ہے وہ اس وقت صرف قومی حکومت یا اقتدار میں شراکت کے لئے بے تاب ہیں۔ انہیں ملک کے مسائل یا مستقبل کی کوئی فکر نہیں ہے۔ پھر بھی ممکنہ عوامی ردعمل کو دبانے کے لئے بھارت کی طرف سے خفیہ معاہدے کا شوشہ چھوڑا گیا ہے تاکہ پاکستان کے عوام خفیہ معاہدے کی بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ جائیں اور سلال ڈیم کے ممکنہ نتائج کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیں۔ ایک طرح سے خفیہ معاہدے کا یہ انکشاف

...د، معدنیات، ملز اور ...اصد سمیت، لیکن اس ...ال یا پن بجلی پیدا کرنے کے ...ہے۔

...استعمال" کی اصطلاح سے ... دوسری اشیاء کے بہاؤ، سیلاب ...د پانے، ماہی گیری یا پرورش ...اسی قسم کے سودمند مقاصد ...نا یا اس کا استعمال ہے۔ بشرطیکہ ...تعمال کرنے میں قطرہ قطرہ ...او ثانی طور پر زائل ہو سکے ...مقدار جو عملی پیمائش سے کے ...یا اسی دریا یا اس کے معاون

دریاؤں میں واپس آ جائے۔ لیکن زرعی استعمال یا پن بجلی کی پیداوار کے لئے استعمال اس اصطلاح میں شامل نہیں۔

(۱۲) "عبوری مدت" کی اصطلاح سے وہ مدت مراد ہے جس کی ابتدا و انتہا آرٹیکل دوم (۶) میں مذکور ہے۔

(۱۳) "بینک" کی اصطلاح سے مراد بین الاقوامی بینک برائے تعمیر و ترقی ہے۔

(۱۴) "کمشنر" کی اصطلاح سے مراد آرٹیکل ہشتم (۱) کی شرائط کے تحت مقرر کردہ کمشنروں میں سے کوئی ایک ہے اور "کمیشن" کی اصطلاح سے مراد آرٹیکل ہشتم (۳) کے مطابق تشکیل شدہ مستقل سندھ کمیشن ہے۔

(۱۵) "پانیوں میں مداخلت" کی اصطلاح کا مطلب ہے:-

(الف) اس کے اندر سے اخراج کا کوئی عمل یا

(ب) بہاؤ میں انسان کی پیدا کردہ کوئی ایسی رکاوٹ جس سے پانی کی روزانہ مقدار میں (پیمائش کے عمل دائرے کے تحت) تبدیلی ہو جائے۔ بہرحال اس میں وہ رکاوٹ شامل نہیں جس کا تعلق پانی کی بہت ہی حقیر مقدار سے ہو اور جس سے پانی کے یومیہ بہاؤ کی مقدار میں اتفاقی طور پر تھوڑی سی تبدیلی ہوتی ہو۔ مثال کے طور پر پل کے ستونوں میں اضافہ یا عارضی بہاؤ وغیرہ کے سبب پیدا شدہ اتار چڑھاؤ کو پانیوں میں مداخلت نہیں سمجھا جائے گا۔

(۱۶) "مؤثر تاریخ" کی اصطلاح سے مراد وہ تاریخ ہے جب سے کہ یہ معاہدہ آرٹیکل ۱۲ کی شرائط کے مطابق مؤثر ہوتا ہے یعنی یکم اپریل ۱۹۶۰ء۔

آرٹیکل دوم

مشرقی دریاؤں سے متعلق شرائط

(۱) مشرقی دریاؤں کے تمام پانی بھارت کو بلا پابند استعمال کے لئے حاصل ہوں گے سوائے اس صورت کے جن کا اس آرٹیکل میں ذکر ہے۔

(۲) سوائے گھریلو استعمال اور غیر اسرافی استعمال کے پاکستان کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ خاص ستلج اور خاص راوی کے اس پھیلاؤ تک جہاں تک کہ یہ دریا پاکستان کے اندر ابھی تک قطعی طور پر داخل نہ ہوئے ہوں، پانی کا بہاؤ جاری رہنے دے اور کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ قطعی عبور کے مقامات حسب ذیل ہیں: (الف) خاص ستلج کے معاملے میں سلیمانکی کے نیچے ہستا بند کے بالائی بہاؤ کے قریب اور (ب) راوی کے معاملے میں بی آر بی ڈی رابطے کی سیفن نلی کے ڈیڑھ میل بالائی بہاؤ کے قریب

(۳) گھریلو استعمال، غیر اسرافی استعمال اور زرعی استعمال کے سوا (جس کی صراحت ضمیمہ بی میں کی گئی ہے) پاکستان پر لازم ہو گا کہ کسی معاون دریا کے پانی میں جو اپنے قدرتی راستے پر چلتے ہوئے خاص ستلج یا خاص راوی سے مل جاتا ہے (پاکستان میں بہتے ہوئے) ان کے پانیوں کے بہاؤ کو جاری رکھے گا اور ان میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا قبل اس کے کہ یہ دریا قطعی طور پر پاکستان کے اندر نہ داخل ہوں۔

(۴) کسی ایسے معاون دریا کا سارا پانی جو اپنے قدرتی راستے سے بہتے ہوئے خاص ستلج یا خاص راوی سے اس جگہ ملتا ہو جبکہ یہ دریا قطعی طور پر پاکستان کے اندر داخل ہو چکے ہوں، جب پاکستان کے اندر سے بہہ رہا ہو تو پاکستان کے بلا پابند استعمال کے لئے قابل حصول ہوں گے تاہم اس دفعہ کی تعبیر یہ نہ ہو گی کہ پاکستان کو بھارت پر ایسے کسی معاون دریا کے پانی کے لئے کوئی دعویٰ یا حق حاصل ہو جائے۔ اگر پاکستان کسی ایسے معاون

مسٹر بھٹو کے خلاف پہلا بین الاقوامی حملہ ہے۔ شاید اندرونی طور پر مسٹر بھٹو کی کردار کشی کے لئے ترکش میں تیر ختم ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب باہر سے حملے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ یہ خفیہ معاہدہ ہوا تھا یا نہیں اس کا جواب پاکستان کی حکومت دے سکتی ہے یا پھر مسٹر بھٹو اور مسز اندرا گاندھی بتا سکتی ہیں حکومت پاکستان اگر خفیہ معاہدے کے انکشافات پر واقعی کچھ تشویش محسوس کر سکتی ہے تو اسے موت کی کوٹھڑی میں ڈالے ہوئے سابق وزیر اعظم کو موقع دینا چاہئے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی وضاحت جاری کریں۔
یہ ایک سابق وزیر اعظم کے ساتھ زیادتی

دریا کا پانی چھوڑتا ہے جو موثر تاریخ کو راوی میں مل جاتا ہے تو اس کے بعد جبکہ یہ دریا قطعی طور پر پاکستان میں داخل ہو چکا ہو۔ بھارت ان پانیوں کو استعمال نہیں کرے گا۔ ہر فریق اس پر رضامند ہوتا ہے کہ نکاسی کے ایسے آبزرویشن قائم کئے جائیں گے اور ایسی نگرانی کی جائے گی جو پاکستان کے مذکورہ بالا ڈلیوری کے سبب پاکستان کے استعمال کے لئے پانی کے حصے کا تعین کرنے کے لئے ضروری سمجھی جائے۔ اور پاکستان اس پر رضامند ہوتا ہے کہ ایسے آبزرویشن کے قیام اور ایسی نگرانی کے اخراجات پورے کرے گا۔

(۵) ایک عبوری مدت ہوگی جس کے دوران ضمیمہ ایچ میں متعینہ حد تک بھارت :

(۱) زرعی استعمال کے لئے اپنے اخراج کی حد متعین کرے گا

(۲) ذخیرہ اندوزی کے لئے علیحدگی کی حد متعین کرے گا۔

(۳) مشرقی دریاؤں سے پاکستان کو ڈلیوری دیگا۔

(۶) عبوری مدت یکم اپریل ۱۹۶۰ء کو شروع ہوگی اور ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء کو یا اس تاریخ کو ختم ہوگی جس تاریخ تک ضمیمہ ایچ کے حصہ ۸ کی شرائط کے تحت توسیع کی جائے۔ آرٹیکل چہارم (۱) میں جس بدل کے قیام کا ذکر ہے خواہ اس کی تکمیل ہو یا نہ ہو، عبوری مدت کسی بھی حال میں ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء سے آگے نہیں بڑھے گی۔

(۷) اگر عبوری مدت کی ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء کے آگے توسیع کی جائے تو آرٹیکل پنجم (۵) کی دفعات کا اطلاق ہوگا

(۸) اگر عبوری مدت کی ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء کے آگے توسیع کی جائے تو ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء کی توسیعی مدت کے دوران پیراگراف (۵) کی دفعات کا اطلاق ہوگا۔

(۹) عبوری مدت کے دوران پاکستان کو مشرقی دریاؤں کا پانی بلا پابندی حاصل ہوگا جو بھارت ضمیمہ ایچ کی دفعات کے مطابق خارج کرے گا۔ عبوری مدت کے اختتام کے بعد پاکستان کا بھارت پر مشرقی دریاؤں کے پانی کے اخراج کے لئے کوئی دعویٰ یا حق نہیں رہے گا اس صورت میں کوئی اخراج ہو جائے پاکستان ان پانیوں کو جبکہ وہ قطعی طور پر پاکستان کے اندر داخل ہو جائیں بلا پابندی استعمال کر سکے گا بشرطیکہ پاکستان کو ایسے پانیوں کو استعمال کر کے حق تصرف کی بناء پر یا کسی اور بناء پر ایسے اخراج کو جاری رکھنے کا استحقاق حاصل نہ ہوگا۔

آرٹیکل سوم

مغربی دریاؤں سے متعلق دفعات

(۱) پاکستان مغربی دریاؤں کے ان تمام پانیوں کا بلا پابندی استعمال کرے گا جن کا بہاؤ جاری رکھنے کے لئے بھارت پیراگراف (۲) کے تحت پابند ہے

(۲) بھارت پابند ہوگا کہ مغربی دریاؤں کے تمام پانیوں کا بہاؤ جاری رہنے دے وہ ان پانیوں میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا سوائے مندرجہ ذیل استعمال کے جو دریائے سندھ، دریائے جہلم اور دریائے چناب کے معاملے میں انکے اخراج کے طاس تک (سوائے اس کے جس کی صراحت ضمیمہ سی کے پیراگراف [illegible] کے آئیٹم سی (۲) میں کر دی گئی ہے) محدود ہونگے :-

(الف) گھریلو استعمال۔

(ب) غیر اسرافی استعمال

(ج) زرعی استعمال۔ جس کی صراحت ضمیمہ سی میں کی گئی ہے اور

(د) پن بجلی کی پیداوار کے لئے جیسا کہ ضمیمہ ڈی میں مذکور ہے۔

(۳) پاکستان ان تمام پانیوں کو بلا پابندی استعمال کر سکے گا جن کے مخرج مشرقی دریاؤں کے سوا دوسرے ہوں جنہیں پاکستان نے راوی یا ستلج میں چھوڑا ہو۔ بھارت ایسے پانی کا کوئی مصرف نہیں لے گا۔ ہر فریق ایسے آبزرویشن اسٹیشن کے قیام اور انہیں چلانے اور ایسے مشاہدات کرانے پر آمادگی ظاہر کرتا ہے جسے کمیشن مذکورہ بالا ڈلیوری کے پیش نظر پاکستان کے استعمال کے لئے ضروری حصہ متعین کرنے کی غرض سے ضروری سمجھتا ہو۔

(۴) سوائے اس کے جس کا تعین ضمیمہ ڈی اور

ہے کہ جیل میں ہونے کے باعث ان کی زبان تو بند ہے اور پاکستان میں ہر لیڈر ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہا ہے۔ اب بھارت بھی اس کارِ خیر میں شامل ہوگیا ہے مگر انہیں اپنے موقف کی وضاحت کی اجازت نہیں ہے، حالانکہ اس کا تعلق صرف ان کی ذات سے نہیں پاکستان کے مستقبل سے بھی ہے۔

فلپائن کے صدر نے اپنے حریف کو جیل سے ٹی وی پریس کانفرنس کی اجازت دے کر ایک ایسی مثال قائم کی ہے قومی ضرورت کے تحت جنرل ضیاء الحق بھی اس کی تقلید کر سکتے ہیں اور یہ کسی پارٹی یا ذات کے مفاد میں نہیں۔ اس ملک کے مفاد میں ہے!

(ایڈیٹر) ○○

ضمیمہ ای میں درج کیا گیا ہے بھارت مغربی دریاؤں پہ نہ تو کوئی ذخیرہ کریگا اور نہ کوئی اسٹوریج تعمیر کرے گا۔

آرٹیکل چہارم

مشرقی دریاؤں اور مغربی دریاؤں سے متعلق دفعات

(۱) پاکستان مہم اور اقتصادیات کا خیال رکھتے ہوئے اپنی سی پوری کوشش کرے گا کہ ۱۵ اگست ۱۹۷۴ء تک آبپاشی کے لئے جن علاقوں کا انحصار مشرقی دریاؤں پر تھا ان کے بدل کی تعمیر کا ایک حصہ مکمل ہو جائے۔

(۲) ہر فریق اس پر رضامند ہے کہ وہ جو بھی غیر اسرافی استعمال کرے گا وہ اس طرح کرے گا کہ اس استعمال کی وجہ سے کسی آبی راہ میں کوئی ایسی ٹھوس تبدیلی نہ ہونے پائے کہ جس سے دوسرے فریق کو اس معاہدے کی دفعات پر عمل کرنے میں نقصان ہو۔ سیلاب سے تحفظ یا سیلاب پر قابو پانے کے لئے کسی اسکیم پر عمل کرتے ہوئے، جہاں تک ممکن ہو، ہر فریق ایسی چیزوں سے گریز کرے گا جس سے دوسرے فریق کو نقصان پہنچ سکتا ہو اور اگر بھارت مغربی دریاؤں پر ایسی کسی اسکیم کو بروئے کار لائے گا تو آرٹیکل ۳ میں متعینہ استحقاق سے زائد نہ تو پانی کا کوئی مصرف لے گا نہ ہی کوئی ذخیرہ کریگا۔

(۳) اس معاہدے کے ذریعے کسی بھی فریق کو پانی کی نکاسی، دریائی تربیت، کٹاؤ سے تحفظ کے لئے مٹی جمع کرنے، تہ نشین مٹی کی صفائی یا دریائی تہہ سے کنکریاں نکالنے کی کسی اسکیم سے باز رکھا جائے بشرطیکہ:

(الف) ایسی کسی بھی سکیم کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر فریق جہاں تک ممکن ہو سکے اس بات کی کوشش کرے گا کہ دوسرے فریق کو کوئی مادی نقصان نہ پہنچ جائے (ب) بھارت کی طرف سے ایسی جو اسکیم مغربی دریاؤں پر چلائی جائے گی تو وہ آرٹیکل ۳ میں متعینہ استحقاق سے زائد نہ تو پانی کا کوئی مصرف لے گا نہ ہی کوئی ذخیرہ کرے گا۔

(ج) پیراگراف (۵) اور آرٹیکل ہفتم (۱)(ب) کی شرائط کے ماسوا بھارت پاکستان سے گذرنے والے کسی قدرتی یا مصنوعی نکاس یا نالے کے رقبۂ آبگیرہ میں اس سے آگے نہیں بڑھائے گا جو مؤخرہ تاریخ کو ہو اور کوئی ایسی تعمیر یا تعمیر میں تبدیلی نہیں کرے گا جو پاکستان سے گذرتے ہوئے پاکستان کو مادی نقصان پہنچائے نہ ہی کوئی نئی نکاس یا نالہ تعمیر کرے گا۔

آرٹیکل ششم

اعداد و شمار کا تبادلہ

(۱) فریقین کے درمیان دریاؤں کے پانیوں کے بہاؤ اور استعمال سے متعلق درج ذیل اعداد و شمار کا باقاعدگی سے تبادلہ ہوا کرے گا۔

(الف) روزانہ (یا مشاہدہ یا تخمینہ کے مطابق اس سے بھی کم تواتر کے ساتھ) تمام مشاہداتی مقامات سے دریاؤں کے بہاؤ سے متعلق پیمائش واخراج کے اعداد و شمار۔

(ب) ذخیرہ آب کے لئے پانی حاصل کرنے یا اس میں سے نکالنے کی روزانہ رپورٹ۔

(ج) حکومت یا حکومت کی کسی ایجنسی کے ذریعہ چلنے والی تمام نہروں بشمول رابطہ کی نہروں کے سروں سے پانی کا روزانہ نکالا جانا (سے آگے اس آرٹیکل میں انہیں "نہریں" کہا جائیگا)

(د) تمام نہروں بشمول رابطہ کی نہروں سے پانی کا نکل جانا۔

(ہ) رابطہ کی نہروں سے پانی کی یومیہ حوالگی۔

ہر تقویمی ماہ کے اعداد و شمار موصول ہونے اور ترتیب دینے کے بعد ہی ہر فریق دوسرے فریق کو بھیج دیگا جس ماہ کے اعداد و شمار ہوں اس ماہ کے ختم ہونے پر ترسیل میں تین ماہ سے زیادہ تاخیر نہیں ہونی چاہئے لیکن اوپر درج شدہ اعداد و شمار کو فریقین میں سے کوئی بھی کارکردگی کی بنا پر ضروری سمجھے تو روزانہ یا اس سے بھی کم وقفے کے تواتر کے ساتھ حسب استدعا بھیجے جائیں گے۔ جو فریق ان میں سے کسی اعداد و شمار کی فراہمی کی استدعا ٹیلیگرام، ٹیلی فون یا وائرلیس کے ذریعے کرے گا وہ دوسرے فریق کو اعداد و شمار کی ترسیل کے اخراجات ادا کرے گا۔

(۲) اس آرٹیکل کے پیراگراف (۱) میں جن

اعداد وشمار کا تعین کیا گیا ہے اگر ان کے علاوہ بھی کوئی فریق دریاؤں کی مائیات (Hydrology) یا دریاؤں سے منسلک نہروں یا پانی کے ذخائر کی جہم یا اس معاہدے کی کسی دفعہ سے متعلق کچھ اعداد وشمار فراہم کرنے کی استدعا کرے تو وہ دوسرا فریق جس حد تک ممکن ہوگا فراہم کریگا۔

آرٹیکل نہم

اختلافات وتنازعات کا تصفیہ

(۱) اگر فریقین کے درمیان کوئی ایسا سوال اٹھ کھڑا ہو جس کا تعلق اس معاہدے کی ترجمانی یا عمل میں لانے سے ہو یا اگر کوئی ایسی حقیقت وجود میں آجائے کہ جس کے برقرار رہنے پر اس معاہدے کی خلاف ورزی ہوسکتی ہو تو پہلے کمیشن اس کا جائزہ لے گا جو اس مسئلے کو مفاہمت کے ذریعہ طے کرنے کی کوشش کرے گا۔

(۲) اگر کسی ایسے سوال کا جس کا حوالہ پیراگراف (۱) میں دیا گیا ہے تصفیہ کمیشن نہ کرا سکے تو ایک اختلاف کی صورت پیدا ہوسکتی ہے جس سے درج ذیل طریقے سے نمٹا جائیگا۔

(الف) اگر کوئی اختلاف دونوں میں سے کسی ایک کمشنر کے خیال میں، ضمیمہ ایف، حصہ اول کی دفعات کے تحت آتا ہو تو ایک کمشنر کی استدعا پر تو اسے ضمیمہ "ایف" حصہ دوم کی دفعات کے مطابق ایک غیر جانبدار ماہر طے کرائے گا۔

(ب) اگر وہ اختلاف پیراگراف (۲) (الف) کی شرائط کے تحت نہ آتا ہو یا ایک غیر جانبدار ماہر ضمیمہ ایف کے پیراگراف ۷ کی دفعات کے تحت کمشنر کو مطلع کر دے کہ اس کے خیال میں اس اختلاف یا اس کے کسی حصے کو ایک تنازعہ سمجھنا چاہیئے تو اس صورت میں سمجھا جائے گا کہ ایک تنازعہ کھڑا ہوگیا ہے جس کا تصفیہ پیراگراف (۳)، (۴) اور (۵) کی دفعات کے مطابق ہونا چاہیئے۔

بشرطیکہ یہ کمیشن کے اختیار تمیزی میں ہوگا کہ یا تو کسی اختلاف کو کسی غیر جانبدار ماہر کے ذریعہ ضمیمہ ایف حصہ دوم کے مطابق طے کرلے یا کسی اور طریقہ سے طے کرائے جس پر کمیشن متفق ہو۔

(۳) جونہی کوئی ایسا تنازعہ کھڑا ہو جائے جسے اس آرٹیکل کے اس پیراگراف اور اس کے بعد کے پیراگرافوں کے ذریعہ طے کرنا ہو تو کمیشن کسی ایک کمشنر کی استدعا پر حتی الامکان جلد از جلد دونوں حکومتوں کو اس حقیقت اور امور متنازعہ فیہ سے مطلع کریگا۔ اس میں ہر کمشنر کے خیالات اور ان کے اسباب بھی بتائیگا۔

(۴) کوئی حکومت پیراگراف (۳) میں تحریری رپورٹ موصول ہونے کے بعد یا اگر وہ اس نتیجے تک پہنچے کہ کمیشن کی جانب سے رپورٹ پیش کرنے میں غیر ضروری تاخیر کی جارہی ہے تو وہ دوسری حکومت کو مفاہمت کے ذریعہ تنازعہ طے کرنے کی دعوت دے سکتی ہے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ مذاکرات کرنے والوں کے نام پیش کرے گی اور یہ بتائے گی کہ اس کی طرف سے مذاکرات کرنے والے دوسری حکومت کے مذاکرات کرنے والوں سے اس وقت اور جگہ پر مذاکرات کے لئے تیار ہیں جو دوسری حکومت کی جانب سے تجویز کی جائے۔ ان مذاکرات میں اعانت کے لئے دونوں حکومتیں ایک یا ایک سے زائد ایسے مصالحت کنندوں کی خدمات بھی حاصل کرسکتی ہیں جو دونوں کے لئے قابل قبول ہوں۔

(۵) اس تنازعہ کو ضمیمہ "جی" میں بتائے گئے طریقہ سے طے کرنے کے لئے ایک ثالثی عدالت قائم کی جائے گی۔

(الف) فریقین کے درمیان ایسا کرنے کے لئے سمجھوتہ ہوجانے پر یا

(ب) کسی ایک حکومت کی استدعا پر، اگر مذاکرات پیراگراف (۴) کے مطابق ہونے شروع ہوگئے ہوں اور اس کے خیال میں مذاکرات یا ثالثی کے ذریعہ تنازعہ کے تصفیہ کا امکان نہ ہو، یا

(ج) کسی ایک فریق کی استدعا پر، جبکہ دوسری حکومت کو پیراگراف (۴) کے تحت دعوت موصول کئے ہوئے ایک ماہ گذر چکا ہو اور اس فریق نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو کہ دوسری حکومت مذاکرات میں غیر ضروری تاخیر کر رہی ہے۔

(۶) کسی ایسے اختلاف پر جس سے غیر جانبدار ماہر نمٹ رہا ہو پیراگراف (۳)، (۴) اور (۵) کی دفعات کا اطلاق نہ ہوگا۔

∞

سلال ڈیم بنانے کا حق تسلیم کر لینا

مقبوضہ کشمیر پر ہندوستان کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لینا ہے

۱۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو شری جواہر لعل نہرو نے سپریم کورٹ آف پاکستان کے الفاظ میں اس وقت کے غاصب حکمران فیلڈ مارشل ایوب کے ساتھ ڈبلیو اے. بی. الیف کی موجودگی میں کراچی میں ایک معاہدے پر دستخط کئے تھے جو سندھ طاس کا معاہدہ قرار پایا۔ یہ وہی معاہدہ ہے جسے محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے خون اور اپنے پانی کے بیچنے کا سیاہ معاہدہ قرار دیا تھا۔ اس معاہدے کے مطابق بھارت مشرقی دریاؤں کا تن تنہا مالک بن گیا اور ہریکے اور بھاکڑہ، بیاس، راجھستان پروجیکٹ کو مکمل کر کے بھارت نے راجھستان کے لق و دق صحراؤں کو لہلہاتے کھیتوں اور کھلیانوں میں تبدیل کر دیا۔ اور ہمارے کھیت اور کھلیان جو کسی زمانے میں پورے برصغیر کی غذائی ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے سیم و تھور کی نذر ہوتے رہے سندھ طاس کے معاہدے کے مطابق مغربی دریا یعنی چناب جہلم اور سندھ پاکستان کے حصے میں آئے اور یہ بھی طے پایا کہ تمام جھیلیں نالے ندی شاخ قدرتی یا مصنوعی ڈرینج جو، کھڈ یا شاخ کی چھوٹی شاخیں جس دریا سے متعلق ہوں گی یا ملتی ہیں اسی دریا کا حصہ ہوں گی۔ مغربی دریاؤں میں دریائے چناب کے بارے میں یہ بھی طے پایا کہ پخند ندی دریائے چناب سے متعلق ہے اور دریائے چندرا اور بھاگا دریائے چناب کی شاخیں ہیں۔ آرٹیکل ۳ اور ضمیمہ سی ڈی تفصیل کے ساتھ مغربی دریاؤں کے پانی کے استعمال پر بھارت پر کڑی پابندیاں عائد کرتے ہیں اور دریائے چناب میں یعنی بڑی چناب بھارت ان بیر اور بر ناب پر بھی جو چناب کے سیلابی نالے اور نہریں ہیں نہ ڈیم بنا سکتا ہے اور نہ پانی جمع کر سکتا ہے لہٰذا چناب میں۔ یعنی بڑے چناب پر سلال کے مقام پر پن بجلی پیدا کرنے کے لئے پانی کے ڈیم کی تعمیر اور پانی کا ذخیرہ کرنا پاکستان کی شہ رگ کو کاٹنے کی بھارت کی ایک نئی اور ناپاک سازش ہے مزید یہ کہ سندھ طاس کے معاہدے کے مطابق بھارت مغربی دریاؤں پر تعمیر شدہ پن بجلی گھر چلا تو سکتا ہے۔ مگر بھارت کو اس بات کا بالکل اختیار نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی نیا پن بجلی گھر کسی بھی مغربی دریا یا ان کی شاخوں پر تعمیر کرے تمام محب وطن پاکستانی بری طرح پریشان و حیران ہیں کہ آخر سندھ طاس کے معاہدے کی شرائط کے مطابق اس ڈیم کی تعمیر کے متنازعہ مسئلہ کو کسی غیر جانبدارانہ رائے کیوں حاصل نہیں کی گئی۔ یہاں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سندھ طاس کا مستقل کمیشن اور ہمارا کمشنر کیا کرتا رہا اور اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ موجودہ عارضی حکومت کو یہ حق کس نے دیا جبکہ وہ اپنے عارضی دستوری انحراف کے عرصے میں بھارت کے ساتھ مستقل نوعیت کے سمجھوتے کرے جناب آغا شاہی نے اس بہت بڑے اور اہم مسئلہ پر عوام کو اپنے اعتماد میں کیوں نہیں لیا؟

میں بحیثیت قانونی برادری کے ایک فرد کی حیثیت میں اور ملکی اور بین الاقوامی قوانین کے ایک طالبعلم کی حیثیت میں ملک کی وزارت خارجہ اور امور خارجہ کے مشیر جناب آغا شاہی سے دریافت کروں گا کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دریائے چناب صرف اور صرف کشمیر میں بہتا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہندوستان بین الاقوامی قانون کی کسی بھی تعریف میں RIPARIAN STATE یا دریا سے استفادہ کرنے والا ملک نہیں ہے؟ اگر یہ دونوں حقائق ناقابل تردید ہیں تو پھر ہندوستان کا سلال کے مقام پر ڈیم بنانے کا حق تسلیم کر لینا کیا مقبوضہ کشمیر پر ہندوستان کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ اٹل بہاری باجپئی لاہور کی سڑکوں پر کرتے ہوئے مولا بخش کا پان کھانے کی حد تک تو ہمیں گوارہ ہیں مگر ہم یہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ وہ جن سنگھ کے ساتھ تھے اور اب بھی جنتا پارٹی کے جن سنگھی ہیں اور انہوں نے اپنے اعلیٰ ترین مقصد یعنی اکھنڈ بھارت سے اب تک توبہ نہیں کی فرخا ڈیم کی تعمیر کی ابتداء سے ہندوستان نے ہمارے مشرقی بازو کو اقتصادی طور پر تباہ کرنے کی ناپاک سازش کی تھی جو بالآخر ۱۹۷۱ء میں اعلانیہ فوجی حملے سے ہمکنار ہوئی۔ اور ۱۹۷۱ء ہی میں ہندوستان نے سلال ڈیم کا منصوبہ شروع کیا اور پہلا بڑا وار سمجھوتے پر دستخط سے کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ بجائے اقوام متحدہ کی انجمن سے احتجاج کرنے کے سمجھوتے کو ہندوستان سے تعلقات کی بحالی کا اہم سنگ میل قرار دیا جا رہا ہے۔ سلال ڈیم ہماری دانست میں ابتداء ہے۔ ایسے بہت سے ڈیموں اور بجلی گھروں کی تعمیر کی جو چناب کے علاوہ دوسری جگہوں پر چناب جہلم اور سندھ پر بن سکتے ہیں۔ ان ڈیموں کی اور بجلی گھروں کی تعمیر سے جہاں پاکستان کی معیشت متاثر ہوگی وہیں اس کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ہندوستان مقبوضہ کشمیر کے مادی، اقتصادی اور طبیعی حالات میں تبدیلی کرے گا اور اس بات کو کشمیر پر پاکستان کے موقف کے بارے میں مخالف رائے اور پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرے گا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مقبوضہ کشمیر میں ان منصوبوں سے ہندوستان کی فوجی اور حملہ کرنے کی پوزیشن مستحکم ہوگی اور ہندوستانی فوج، اُس کی کمک اور اس کے رسل و رسائل کے مسائل آسان کرے گی۔

پاکستان کے عوام یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ تمام حقائق سامنے لائیں اور ان تمام محرکات سے تمام پاکستانیوں کو آگاہ کیا جائے کہ آخر وہ کون سے محرکات ہیں اور وہ کون سے دباؤ ہیں جن کے تحت اس عارضی دستوری انحراف کے عرصے میں پاکستان کو اس معاہدے پر دستخط کرنے پڑے

اروناَ
موسمِ گرما میں
پھولوں بھرا انتخاب!
اروناَ کے ٹھنڈے، راحت بخش لان،
پاپلین اور کیمبرک آدم جی کی فخریہ پیشکش۔
استری سے بے نیاز،
٦٥ فیصد پولیسٹر اور ٣٥ فیصد امریکن
ایکیشن کاٹن کا حسین امتزاج سفید اور
سبک ہلکے رنگوں کے ساتھ تر و تازہ
دلکش پرنٹس بھی حاضر ہیں۔ دھوئیے
اور پہن لیجئے۔
adamjee
THE NAME YOU HAVE LEARNT TO TRUST
آدم جی انڈسٹریز لمیٹڈ
آدم جی ہاؤس آئی آئی چندریگر روڈ
کراچی (پاکستان)
ACM.3.77.193.UD
R8 LINTAS

یونان میں جمہوریت کے قتل کی کہانی

آندرے پاپاندریو کی زبانی

فوجی حکومت کے الزامات قطعی من گھڑت ہیں

قارئین معیار نے یونان کے تازہ ترین حالات سے باخبر ہونے کی بھی خواہش ظاہر کی ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ آندرے پاپاندریو آجکل اپنے وطن یونان میں ہیں۔ اور یونانی پارلیمنٹ کی دوسری بڑی پارٹی پاسوک (پان ہیلینک سوشلسٹ موومنٹ) کے لیڈر ہیں جس نے دسمبر ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں پارلیمنٹ میں ۹۲ نشستیں جیت کر دائیں بازو کے لئے مشکلات پیدا کر دی تھیں پاپاندریو شعلہ بیان مقرر ہیں اور یونان کی نئی نسل کے محبوب رہنما ہیں۔ ان کا "یونان۔ صرف یونانیوں کے لئے" کا نعرہ آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔

انقلاب کی رات ہی قتل کر دیا جاتا تو بہتر تھا

میرے ساتھیوں کے خلاف اسلحہ کا ذخیرہ پکڑے جانے کا ڈرامہ رچایا گیا

اس فرد جرم میں میرے خلاف براہِ راست صرف ایک شہادت کا حوالہ دیا گیا۔ میرے ہائی اسکول کے ایک دوست تھے جن سے سالہا سال سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آندرے واچلیوٹیس نام تھا۔ انہوں نے میرے خلاف ایک بیان دیا تھا جس کے مطابق میں نے انہیں فوجی انقلاب سے متعلق اپنا منصوبہ بتایا تھا۔ میں بادشاہ کو تخت سے اتارنا اور یونان کو معاہدہ شمالی اوقیانوس سے نکالنا چاہتا تھا۔ کارڑیاکوس ڈیاکوڈیاکوٹیانیس نامی ایک صحافی نے واچلیوٹیس کے عائد کردہ الزامات کی تصدیق کی تھی۔

لیکن چند ہی دنوں کے بعد یہ شہادت نہایت ہی ڈرامائی طور پر ہوا میں اڑ گئی۔ واچلیوٹیس اور ڈیاکوٹیانیس دونوں ہی امریکہ بھاگ گئے اور واشنگٹن میں ایک پریس کانفرنس کی جس میں اعلان کر دیا کہ خفیہ پولیس اور کے وائی پی نے ان پر جبر کر کے اور دباؤ ڈال کر یہ بیان دلوایا تھا۔ ایک رسالہ "رمپارٹس" نے ان دونوں کے مکمل بیانات شائع کئے۔ ایوپروف سے رہائی حاصل کرنے کے پہلے یہ بیانات میری نظر سے نہیں گزرے تھے تاہم مینوز نے مجھے ان بیانات کا خلاصہ بتا دیا تھا۔ واچلیوٹیس کے بیان کا خلاصہ کچھ یوں تھا:

۶۔ ستمبر ۱۹۶۶ء کو شام کے ۶ بجے کے وائی پی (یونانی سی آئی اے) کے تین ایجنٹوں کی حراست میں مجھے ایتھنز کورٹ کے خالی کوریڈر میں لے جایا گیا۔ مجھے پبلک پرازیکیوٹر ٹراسولیاس کے روبرو آندرے

پاپاندار یو کے خلاف گواہی دینے کے لئے پیش کیا گیا
میں اس واقعہ کے ذریعہ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آندرے
پاپاندریو کے خلاف فوجی حکومت کے الزامات قطعی
طور پر گھڑے ہوئے ہیں ان الزامات کا انحصار زیادہ تر
اس "اعتراف" پر ہے جو میں نے پاپاندریو کی مبینہ
تخریبی سرگرمیوں سے متعلق کیا۔ لیکن مجھ سے یہ اعتراف
جبراً کرایا گیا ہے۔ اور یہ قطعی جھوٹے الزامات ہیں۔ یہ
جھوٹا حلف ہے اس لئے کسی ایسی سرزمین کی عدالت
میں جہاں واقعی انصاف ہوتا ہو اس کا کوئی اثر نہیں
ہو سکتا۔ پاپاندریو ایک سچے محب وطن ہیں اور یونانی
جنتا کی یہ کوشش کہ ان کے خلاف ایک مقدمہ کھڑا
کیا جائے ایک نامسعود حرکت ہے۔ مجھ پر یہ بات
بالکل واضح ہو گئی کہ کے وائی پی پاپاندریو کو تباہ کرنے
پر تلی ہوئی ہے۔ کے وائی پی کے ایک کلیدی اہلکار
ناکسیس اپوسٹولوپولوس نے مجھے فوجی انقلاب
سے کئی دن پہلے بتایا تھا کہ وہ آندرے پاپاندریو پر قابو
پانے کے لئے میرا دایاں ہاتھ استعمال کرے گا۔
اسی طرح میجر الیو انجیلوس رساکاس نے بھی جو ایک
پاپاندروپولوس کی وزارت کے ایک وزیر کا خصوصی
مشیر ہے مجھ سے کہا کہ پاپاندریو کو انقلاب کی رات ہی کو
قتل کر دینا چاہیئے تھا۔ ہمیں بہرحال اس سے چھٹکارا
حاصل کرنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آندرے پاپاندریو کے
خلاف کے وائی پی سالوں پہلے سے سازش کرنے میں
مصروف تھی۔ جون ۱۹۶۶ء میں ایک دن کے وائی پی
کے ایک ایجنٹ اپوسٹولوپولوس نے جو ان دنوں میرے
نزدیک دا... پولوس کے نام سے موسوم تھا مجھ سے
آ کر کہا کہ اسے ان یادداشتوں کی نقلیں درکار ہیں جو میں
نے دو سال پہلے تیار کی تھیں۔ میں نے کہا کہ وہ دستاویزات
کچھ نوعیت کی ہیں جن میں کے وائی پی کے دلچسپی لینے
کے قابل کچھ نہیں۔ تو بھی اس نے ان کاغذات کے
لئے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ پاپاندریو کے خلاف تحقیقات
کے سلسلے میں جو دو سال سے جاری ہیں ان کاغذات کی
ضرورت ہے اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر
میں نے اس سے تعاون نہیں کیا تو وہ ان کاغذات
کے لئے تلاشی کا وارنٹ بھی حاصل کر سکتا ہے پھر

فوجی جنتا نے بالآخر میرے وکیل کو گرفتار کر لیا

مجھے بھی مشکل میں پھنسنا پڑے گا کیونکہ ان میں میرے
خلاف بھی مواد موجود ہے۔ مجبوراً میں انہیں اس شرط
پر وہ یادداشتیں دینے پر آمادہ ہوا کہ وہ نقلیں
لے کر اصل مجھے واپس کر دیں۔ وہ ایجنٹ مجھے ایتھنز
کی کے وائی پی بلڈنگ میں لے گیا۔ وہاں دفتر کے چھوٹے
چھوٹے کمرے ہیں۔ وہ مجھے ایک کمرے میں بٹھا کر
اصل یادداشتیں مجھ سے یہ کہہ کر لے گیا کہ بازو کے
کمرے میں مشین سے ان کی فوٹو اسٹیٹ نقلیں لے گا
اس کے بعد اصل مجھے واپس کر دے گا۔ لیکن چند منٹ
کے بعد وہ خالی ہاتھ واپس آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے
ان یادداشتوں کو اپنے پاس ہی رکھنے کا فیصلہ کیا
ہے۔ یہ تمھیں واپس نہیں ملیں گی۔ اب تم جا سکتے ہو۔
اس طرح مجھ سے صریح دھوکا کیا گیا۔

کے وائی پی والوں نے جب یہ دیکھا کہ میں نے
اپنی یادداشتوں میں کے وائی پی سمیت متعدد سرکاری
ایجنسیوں کے سربراہوں کی تبدیلی کی سفارش کی تھی تو
وہ بہت خفا ہو گئے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی وجہ سے
وہ اور بھی شدت کے ساتھ آندرے پاپاندریو کے
درپے ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد کے وائی پی کا وہ ایجنٹ
پھر میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ ۱۹۶۴ء میں تمہارے
اور آندرے پاپاندریو کے درمیان جو کچھ ہوا تھا وہ سب
لکھ ڈالو۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ تم بھی اس کے ایک
ساتھی ہو اس لئے تمھیں بھی طویل سزائے قید بھگتنی
پڑے گی۔ اس الزام اور دھمکی کے پیش نظر یہ سوچ
کر کہ میری بیوی اور بچے کو مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے
میں نے ان لوگوں کی تیار کردہ ایک دستاویز پر دستخط
کر دیئے اس میں کہا گیا تھا کہ آندرے پاپاندریو ناراض
نوجوان افسروں کی ایک جماعت کے ذریعہ فوجی انقلاب
برپا کرنا چاہتا تھا۔ وہ شاہ کو معزول کرنے اور یونان
کو معاہدہ شمالی اوقیانوس سے الگ کرنے کے منصوبے
تیار کر رہا تھا اور یہ کہ وہ کمیونسٹوں سے ہمدردی اور

باغیانہ سرگرمیوں کا مجرم تھا۔ یقیناً ان میں سے کوئی بھی
الزام صحیح نہیں ہے۔ پاپاندریو ایک معصوم آدمی ہے۔
اس کے خلاف عائد کردہ سارے الزامات من گھڑت ہیں
جو مجھ سے جبراً لی گئی گواہی کی بنیاد پر تیار کئے گئے ہیں
اواخر اگست ۱۹۶۷ء میں پبلک پراسیکیوٹر
کے آفس سے مجھے حکم موصول ہوا کہ ۲۲ ستمبر کو شام
کے ۵ بجے میں باضابطہ شہادت کے لئے حاضر ہو
جاؤں۔ لیکن میں نہیں گیا۔ اس دن ایک دوست
کے گھر میں چھپا رہا۔ دوسرے دن میرے ایک دوسرے
دوست نے مجھ سے رابطہ قائم کر کے بتایا کہ کے وائی پی
کے سارے کا سارا عملہ میری تلاش میں ہے لہذا مجھے ۲۶ ستمبر
کو شام کے ۴ بجے شہادت دینے کے لئے حاضر ہو جانا
چاہیئے۔ چنانچہ اس دن مجھے کے وائی پی کے تین ایجنٹ
مجھے پبلک پراسیکیوٹر کے آفس میں لے گئے اور میں نے
جھوٹی گواہی دی۔ پھر ۲۔ فروری ۱۹۶۸ء کو عدلیہ کے ایک
ضابطے کی کارروائی کے طور پر مجھے جج آف انسٹرکشن کے
سامنے حاضر ہو کر وہی جھوٹی گواہی دہرانی پڑی۔ وہ جج
پاپاندریو کے خلاف دی گئی شہادتوں کی جانچ پڑتال
کر رہا تھا۔

میں کے وائی پی کے جال میں اس طرح پھنس گیا
تھا کہ اب اس میں سے نکلنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ اب
کے وائی پی والوں کو ایک اور گواہ کی ضرورت تھی جو
میرے بیان کی تصدیق کر سکے۔ اس کے لئے انہوں نے
ڈیاکونیانیس کا انتخاب کیا جس کا ذکر میری ایک یادداشت
میں تھا۔ وہ پاپاندریو کے خلاف ہر قسم کی گواہی حاصل
کرنے کے لئے بے چین تھا۔ وہ اس بات کا یقین
کر لینا چاہتے تھے کہ ان کے یہ دو قیمتی گواہ پھسل نہ جائیں
یا اپنی کہانی بدل نہ ڈالیں۔ اس کے لئے انہوں نے
ہم پر طرح طرح کے دباؤ ڈالے۔ ۲۵ اگست کو ہمیں
اس وقت کے وزیر اعظم یونان اسٹیفانوس اسٹیفانو
پولوس کے دفتر میں لے جایا گیا اور وزیر اعظم کے ذریعہ

بھی ہم پر دباؤ ڈالا گیا تاکہ ہم اپنے بیان پر قائم رہیں۔ وزیراعظم نے ہم سے کہا کہ ہم آپ پر اعتماد کرتے ہیں اور آپ کو سچا محب وطن سمجھتے ہوئے یہ یقین رکھتے ہیں کہ آپ یونان کو ان لوگوں سے بچانے میں ہم سے تعاون کریں گے جو اسے تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک کمزور شخصیت کا آدمی اور کے وائی پی کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔

یہ تھا اس بیان کا خلاصہ جس نے میرے خلاف فوجی جنتا کی سازش کے تار و پود بکھیر دیئے۔

اوائل اکتوبر میں پٹاکوس ایک مرتبہ پھر مجھ سے ملنے آیا۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ اقتصادی رابطہ کا نائب وزیر آرلینڈوس بھی تھا۔ شاید اس نے جرمنی میں اقتصادیات کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن میں اس سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ آرلینڈوس سیل میں داخل ہوتے ہی بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملا کہنے لگا۔ میں نے اقتصادیات پر آپ کی تحریریں پڑھی ہیں اور عرصے سے آپ سے ملنے کا خواہاں تھا۔ میں آپ کی سیاست کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ آپ کے علم اقتصادیات کا مداح ہوں"۔ پٹاکوس آرلینڈوس کی ان باتوں سے بیزار سا دکھائی دینے لگا۔ لیکن آرلینڈوس بولتا ہی جا رہا تھا۔ آخر پٹاکوس نے اسے تھوڑی دیر کے لئے سیل سے باہر بھیج دیا پھر مجھ سے کہنے لگا۔ میں واقعی سمجھ نہیں پاتا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے۔ میں آپ کو اس لئے نہیں چھوڑ سکتا کہ آپ کے دوستوں یعنی کمیونسٹوں کو بحران کا لیڈر مل جائے گا۔ میں آپ کو امریکہ بھیج دیتا لیکن امریکہ والے بھی آپ کو نہیں چاہتے۔ وہاں والٹر ہیلر جیسے لوگ آپ کے ذہن میں اپنے تصوّرات بھرنا شروع کر دیں گے اور آپ ہمارے لئے مسائل کھڑے کرنے لگیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک بیان دے دیں اور یہ کہہ دیں کہ آپ ہمیشہ کے لئے سیاست سے الگ ہو رہے ہیں۔ پھر جب آپ کے خلاف مقدمہ چلے گا تو ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنے فلسفیانہ ذہن کی بدولت حالات کو سنبھال لیں گے اور ایک مرتبہ پھر آزاد ہو جائیں گے"۔

میں نے کہا: "آپ از راہ کرم مجھے یہ بتائیں کہ اسپیڈ اکس کے متعلق آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ کیا آپ نے فرد جرم پڑھی ہے؟ اس دستاویز کی حماقتوں کو دیکھا ہے؟"

تم قوم کے دشمن ہو،
قوم کی بقا کا انحصار
تمہاری قسمت پر ہے

میرے اس سوال پر پٹاکوس ایک مرتبہ پھر بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ کے عالم میں اس نے کیپٹن بولوکوس کو برا بھلا کہنا شروع کیا جسے اسپیڈ اکیس میں سزا ہو چکی تھی۔ اس نے کہا اس جیسے احمق لوگ بھلا انقلاب کیا برپا کر سکتے تھے۔ پھر اس نے سیل کا دروازہ کھول کر آرلینڈوس کو بلا جس نے آتے ہی مجھ سے پوچھا "ہماری اقتصادی پالیسی سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں اسے قطعی متضاد سمجھتا ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔ "ایک طرف تو آپ تیزی سے پیداوار بڑھانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اس سے انحراف بھی کر رہے ہیں"۔

اگر ہماری جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے۔ اس سلسلے میں سنٹر یونین کا پروگرام کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں تو آپ کا مہمان بنا ہوا ہوں اور خبروں سے قطعی طور پر لاعلم ہوں۔ آپ کے سنسر کئے ہوئے جو اخبارات مجھے ملتے ہیں وہ صحیح حالات نہیں بتاتے"۔ آرلینڈوس نے کہا۔ "اچھا میں آپ کو کچھ ضروری اعداد و شمار مہیا کر دوں گا لیکن آج نہیں کسی دوسرے دن۔ پٹاکوس نے آرلینڈوس کو کچھ اور بولنے نہیں دیا۔ وہ اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لے گیا۔

کئی دنوں بعد نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ پٹاکوس نے اقتصادی پالیسی سے متعلق امور میں میرے مشورے طلب کئے ہیں۔ اس رپورٹ کے چھپتے ہی پٹاکوس نے فوراً اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ وہ اندریاس پاپاندریو سے کسی معاملے میں رائے طلب کرنے والا آخری آدمی ہوگا کیونکہ پاپاندریو وہ آدمی ہے جو یونان کی معیشت میں انتشار برپا کرنے کا ذمہ دار ہے اسی دن شام کو ایک کرنل مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور بولا کیا آپ اس خبر کی تردید کرنا پسند کریں گے کہ پٹاکوس نے آپ سے اقتصادی امور میں مشورہ طلب کیا تھا؟ میں نے اس پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ تردید کر دینی چاہئے لیکن بعد میں میرے وکیل اور مارگریٹ نے کہا کہ تردید نہ کرنا بہتر تھا تاہم میں نے یہ سوچ کر تردید کر دی تھی کہ کہیں عوام میرے متعلق اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ میں فوجی جنتا سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوں۔ نیویارک ٹائمز نے اس تردید پر فوجی جنتا کا خوب مذاق اڑایا۔

میں نے جو نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کی تردید کر دی تو پٹاکوس کو اس پر سخت حیرت ہوئی۔ اس نے غالباً مجھے سادہ لوح سمجھ لیا لہٰذا میرے لئے ایک نیا جال بچھایا میری تردید شائع ہونے کے بعد ہی ایک دن ایک رپورٹر مجھ سے ملنے آیا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے انٹرویو لینے کی اجازت حاصل کرنے کے بعد مجھ سے ملنے آیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنے سوالات دکھاؤ۔ اس نے دکھائے تو ان میں سے بعض سوالات کا تعلق میری جیل کی زندگی سے تھا لیکن زیادہ تر سوالات سیاسی تھے جن کا مقصد فوجی تسلط، فوجی جنتا اور کمیونزم سے متعلق میرے خیالات معلوم کرنا تھا۔ میں نے رپورٹر سے کہا کہ کیا تم اس بات کی ضمانت دے سکتے ہو کہ جو کچھ میں کہوں گا وہ سب چھپ جائے گا"۔ رپورٹر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "آپ تو جانتے ہی ہیں کہ سنسر شپ نافذ ہے پھر میں اس کی ضمانت کیونکر دے سکتا ہوں"۔

میں نے کہا "بحران حالات میں میں تمہیں کوئی

مجھے اپنی کوٹھڑی کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہونے کی اجازت نہیں تھی

انٹرویو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اگر تم نے میرا پورا بیان شائع نہیں کیا یا تم نے ایسی باتیں شائع کر دیں جو میں نے نہ کہی ہوں تو دونوں صورتیں میرے لئے پریشان کن ہوں گی۔" اس نے مجھے آمادہ کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن میں اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ میرے لئے ایک دام پھیلایا جا رہا ہے۔

رپورٹر کے جانے کے بعد میں سوچنے لگا۔ میں نے انٹرویو نہیں دیا لیکن اس سے کوئی فرق پڑے گا؟ کیا وہ میرے نام پہ ایسی چیزیں خود ہی نہیں چھاپ سکتے۔ جس سے میرے کیس پہ برا اثر پڑے؟

میں نے گارڈ کے کیپٹن سے کہا اگر وہ اخبار والوں نے غلط چیزیں چھاپ کر مجھ سے منسوب کر دیں اور میں ان کے خلاف مقدمہ کروں تو کیا آپ اس میں میری طرف سے گواہی دیں گے۔ اس لئے کہ آپ موجود تھے اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے کوئی انٹرویو نہیں دیا ہے۔ پھر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ باتیں اپنی طرف سے شائع کر کے انہیں مجھ سے منسوب کر دیں۔ ایسی حالت میں کیا آپ میری طرف سے گواہی دیں گے؟

کیپٹن نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں ایک ایماندار آدمی تو ہوں لیکن بال بچے رکھتا ہوں جن سے مجھے بہت محبت ہے۔ اس لئے میں آپ کی طرف سے گواہی نہ دے سکوں گا۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہونگے۔"

کئی ماہ بعد جب میں آزاد ہو کر امریکہ کا دورہ کر رہا تھا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ جو انٹرویو میں نے کبھی نہیں دیا تھا وہ واقعی شائع ہوا تھا۔ اس طرح ایک مرتبہ پھر یہ ثابت ہو گیا کہ کرنل کس قدر ایماندار تھا۔ اس کے باوجود وہ یونان سے برائیوں کا قلع قمع کر دینے کا دعویدار تھا۔

میرے وکیل کی گرفتاری

ٹیلاکوس۔ کی اچانک آمد اور اس کی خصوصی ٹیلیفون کالوں نے جیل کے حکام اور محافظوں کے لئے ایک عجیب مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔ میں بھی سوچنے لگا کہ یہ سب آخر کیا ہو رہا ہے؟ کیا اندر ساندر مفاہمت کی کوئی بات چل رہی ہے۔ اب جیل میں میرا خاصا احترام بھی کیا جانے لگا تھا اور سہولتیں بھی ملنے لگی تھیں۔ جیل کے قواعد و ضوابط کی پابندیاں بھی نرم پڑ گئی تھیں۔ اب مجھے یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ مارگیرٹ جب میرا کھانا لے کر آتی تو میں کھڑکی کے بالکل قریب اس سے لگ کر کھڑا ہوتا اور ہم دونوں گھل مل کر باتیں کرتے بلکہ کئی بار تو میں اسے آتے دیکھ کر بے اختیار دوڑتا ہوا اس کے قریب بھی پہنچ گیا تھا اور اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ کر بوس و کنار بھی کئے تھے۔ جس کمرے میں میں اپنے وکیل مینیوس سے ملا کرتا تھا اب وہ بھی بدل دیا گیا تھا۔ اب میں مینیوس سے ایک تنگ کوٹھڑی کے بجائے ایک کشادہ روم میں ملا کرتا تھا۔ یہ کلاس روم قیدیوں کی تعلیم کے لئے استعمال ہوتا تھا پہلے ہماری گفتگو کے وقت قید خانے کا ایک آدمی ہمارے درمیان بیٹھا رہتا تھا لیکن اب اسے دور بیٹھنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ اتنی دور کہ ہماری گفتگو نہ سن سکے۔ مجھے یہ آزادی سب سے زیادہ قیمتی معلوم ہوئی۔ کیونکہ اس طرح مجھے مینیوس کے ساتھ اپنے کیس کے متعلق کھل کر باتیں کرنے کا موقع ملنے لگا۔ ایسی علامات بھی ظاہر ہونے لگیں کہ مجھے اپنے دفاع کے لئے نوٹ تیار کرنے کی آزادی دی جائے گی۔

اتوار کا دن گذارنا میرے لئے مشکل ہو جاتا۔ اس دن کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اس دن صرف ایک ہی رعایت ملتی تھی اور وہ یہ کہ اس دن میں گارڈ کے شاور روم میں جا کر گرم پانی سے غسل کر سکتا تھا۔ اس کے بعد سارا دن دوسرے دن کے انتظار میں تنہا گذارنا پڑتا۔ پیر کے دن مینیوس بالعموم کچھ پہلے آ جاتا تھا لیکن ۲۸ اکتوبر کو جو پیر کا دن پڑا اس دن وہ سویرے نہیں آیا۔ مارگیرٹ دن کے ۱۲ بجے آئی۔ اس نے آتے ہی مجھ سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "میں تمہارے لئے اچھی خبر نہیں لائی ہوں۔ وہ لوگ مینیوس کو لے گئے ہیں۔ آج صبح اس کے مکان پہ اچانک چھاپہ مارا اسلحہ کی تلاشی لی۔ تلاشی میں کچھ برآمد تو نہیں ہوا پھر بھی اسے لے گئے۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی کو بھی لے گئے۔ وہ ایک ریٹائرڈ کیپٹن تھا۔ اور مینیوس سے بہت ہی قریب تھا۔

اس خبر سے مارگیرٹ کے علاوہ میں بھی بے حد پریشان ہوا مینیوس میرا عجیب و غریب دوست تھا پھر وہ واحد شخص تھا جو میرے کیس کی تمام قانونی موشگافیوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے بغیر میرا صحیح طور پر دفاع ناممکن تھا۔ اسے کیوں گرفتار کیا گیا؟ کیا وہ مزاحمت میں شریک تھا؟ اس کا کوئی ثبوت ہے؟ کیا اسپیڈا کیس میں میرے خلاف کافی ثبوت نہ ہونے کے باعث اب مجھے مینیوس کے واسطے سے کسی دوسرے الزام میں پھنسانے کی کوشش ہے؟ میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگے۔ لیکن اب اس کے سوا اور چارہ کار بھی کیا تھا کہ انتظار کروں اور دیکھتا رہوں کہ کیا ہوتا ہے۔ اب میرا کوئی وکیل نہیں رہا تھا۔ میرا دوسرا وکیل اسٹاوروس کینے لوپولوس میرے معاملے میں زیادہ ملوث نہیں تھا۔ وکیل تو بہت ہی قابل تھا لیکن بجا طور پر ڈرتا تھا کہ مجھ سے زیادہ وابستگی کہیں اس کی بھی گرفتاری کی وجہ نہ بن جائے۔ اس لئے وہ کافی محتاط رہتا تھا اور میں اپنے کیس کے سلسلے میں اس پہ اتنا زیادہ انحصار نہیں کر سکتا تھا جتنا کہ مینیوس پہ کرتا تھا۔ میں اپنے علاوہ مینیوس کے لئے بھی بے حد فکرمند تھا۔ اس کے گھر میں حال ہی میں ایک بچی پیدا ہوئی تھی لہٰذا مینیوس کی گرفتاری کے بعد اس کی بیوی بیچاری کے لئے بچی کی پرورش کے اخراجات کا بھی سوال تھا۔

مارگیرٹ ہی نے مجھے بتایا کہ مینیوس کو قید تنہائی میں رکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے اور بھی بہت سے دوست اور ساتھی پیرابس کے علاقے سے گرفتار کئے گئے تھے۔ اب اس میں ہتھیاروں کا ایک ذخیرہ پکڑے جانے کی کہانی بھی شامل تھی۔ بعض گرفتار شدگان کے ساتھ انتہائی غیر انسانی سلوک کیا گیا تھا۔ میں سوچنے لگا جانے انتھونیس، ساکیس اور ٹاکیس کا جو پہلے ہی گرفتار ہو کر نو نو سال کی بھاری سزائیں پا چکے

تھے کیا حال ہوا۔ انہیں سزا بھگتنے کے لئے ایوپروف سے ایجینا بھیج دیا گیا تھا۔ اور اب جن لوگوں کے پاس سے اسلحہ کا ذخیرہ برآمد ہونے کی بات کی جارہی تھی جانے ان کے ساتھ کونسا سلوک روا رکھا جائے۔ انہیں تو یقیناً اس سے بھی زائد میعاد کی سزائیں دی جائیں گی۔

۱۸ نومبر کو سنیچر کا دن تھا۔ مارگریٹ دوپہر کے وقت مجھ سے ملنے آئی بچوں کو بھی ساتھ لائی میں ان سے مل کر خوش ہوا۔ ان کے جانے کے بعد میں آرام کرنے لگا۔ ساڑھے چار بجے شام کسی نے کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا کیونکہ یہ میرے کوریڈور میں ٹہلنے کا وقت تھا۔ میں نے اندر سے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ بار بار دروازہ کھٹکھٹانے پر بالآخر دروازہ کھلا۔ ایک پہریدار سامنے کھڑا تھا۔ ایک لمبا چوڑا سیکنڈ لیفٹیننٹ بھی کھڑا نظر آیا۔ وہ کوریڈور میں کھڑا تھا۔ اس سے چند قدم پیچھے ایک اور سیکنڈ لیفٹیننٹ کھڑا نظر آیا۔ میں اس طویل القامت لیفٹیننٹ کے پاس گیا اور اُسے سلام کیا۔ لیکن اس کے چہرے پر خشونت طاری تھی اس نے میرے سلام کا جواب تک نہیں دیا میں کوریڈور میں ٹہلنے اور یہ سوچنے لگا کہ شاید محافظین بدل گئے اب یہ نئے محافظ آئے ہیں لیکن یہ تبدیلی کیوں؟ اتنے میں مجھے سابقہ گارڈ کا کیپٹن آتا دکھائی دیا۔ میں نے اس کے قریب جاکر پوچھا۔ کیا بات ہے؟ یہ تبدیلی کیوں؟

اس نے صرف اتنا کہا۔ "گارڈ میں اچانک تبدیلی کردی گئی ہے،" وہ رُکے بغیر سرگوشی کے انداز میں صرف یہی جملہ کہہ کر تیزی سے آگے نکل گیا۔

اسی شام ایک بدصورت سے فرسٹ لیفٹیننٹ نے آکر مجھے بتایا کہ اب تیرہ افراد پر مشتمل ایک نیا محافظ دستہ میری پہریداری کے لئے متعین کیا گیا ہے۔ اس نے کچھ نئے احکامات بھی سنائے اب مجھے محافظ دستے کے کسی فرد سے بنیادی باتوں کے سوا اور کچھ کہنے سننے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ بھی کہا کہ جیل کے قوانین پر علم ریاضی کے اصولوں کی طرح ایک ایک لفظ پر عمل ہوگا۔ میں نے ان سختیوں کا سبب پوچھا تو وہ ٹال کر چلا گیا۔ لیکن میں سمجھ گیا مینیوس کے خلاف شروع ہونے والے مقدمے کی آنچ مجھ تک پہنچ گئی تھی۔

ساری رات انتہائی کرب میں گذری۔ ایک قیدی کے لئے روزانہ کی مصروفیات میں تبدیلی سے زیادہ اذیت ناک اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں بیوی بچوں سے ملنے پر بھی پابندی نہ لگ جائے میرا یہ اندیشہ غلط نہیں تھا۔ دوسری ہی صبح مجھے باضابطہ طور پر بتادیا گیا کہ اب مجھ پر وزارت امن عامہ کے خصوصی ضابطہ کا اطلاق ہوگا جس کے تحت میرے وکیل، بیوی اور بچے وزیر موصوف سے خصوصی اجازت نامہ حاصل کئے بغیر مجھ سے ملنے کے لئے نہیں آسکیں گے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اب تک میرے خلاف صرف الزام ہی عائد کیا گیا تھا۔ جب تک یہ الزامات ثابت نہیں ہوجاتے تب میں عام قیدیوں کے سے برتاؤ کا مستحق تھا اور ایک عام قیدی کے وکلاء اور افراد خاندان اس سے بے روک ٹوک ملاقات کر سکتے تھے۔ ٹوناس نے مجھ سے کہا۔ "تم کوئی عام قیدی نہیں ہو۔ تمہارے کیس پر قوانین وضوابط

ہم میاں بیوی کے درمیان خاردار تاروں کی دیواریں حائل ہوتیں

کا اطلاق نہیں ہوتا مسٹر پاپاندریو۔ تمہیں سمجھنا چاہیئے کہ تم قوم کے دشمن ہو۔ اس قوم کی بقا کا انحصار تمہاری قسمت پر ہے،" اتنا کہہ کر وہ مڑا اور چلا گیا۔

اب میں مارگریٹ سے نہ مل سکوں گا۔ اس خیال نے مجھے سب سے زیادہ دکھ پہنچایا۔ اس دن میں میں اس آس میں کھڑکی سے لگا کھڑا رہا کہ شاید ابھی اس نے یہ خبر نہ سنی ہو۔ کیا اس نے یہ خبر سن لی ہے؟ اسے سننے کے بعد اس کے تاثرات کیا ہیں؟ دروازے پر دستک پڑی۔ میں نے لپک کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی بدصورت فرسٹ لیفٹیننٹ کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ "مسٹر پاپاندریو آپ کو کھڑکی کے پاس جانے یا کوئی اشارہ کرنے کی اجازت نہیں۔ میں آپ کو یہ آخری مرتبہ منع کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے نہیں سنا تو پھر آپ کو کسی دوسرے سیل میں منتقل کردیا جائے گا اور آپ اس پر یقیناً متاسف ہوں گے،" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

وہ کھڑکی میرے لئے اس قید میں ایک رحمت تھی۔ میں اپنی کرسی اس کے قریب کھسکا لیتا اور الکزنڈرا ایوینیو کے مناظر دیکھا کرتا۔ اس طرح میرے دل میں یہ احساس بیدار رہتا کہ اس چار دیواری سے باہر کی زندگی گرچہ میری رسائی سے باہر ہے تاہم میں اس میں شریک ہوں۔ رات کے وقت میں اس سڑک کے اوپر سے گذرتی ہوئی کاروں کو دیکھا کرتا۔ کاریں یکے بعد دیگرے گذرتی رہتیں ان میں مارگریٹ کی کار بھی ہوتی وہ مجھے اشارے کرتی گزر جاتی۔ وہ میرے لئے دن اور رات کا جو کھانا لاتی میرے نزدیک اس کی اہمیت روایتی حیثیت سے کہیں زیادہ تھی۔ میں مارگریٹ کو اس کھڑکی سے جس قدر صاف دیکھ سکتا تھا اس قدر صاف ملاقات کے وقفے کے دوران تاروں کے اس پار سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بچوں کو بھی لایا کرتی اور میں انہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتا۔ اتنی دیر کے لئے میرا احساس تنہائی ختم ہوجاتا اور مجھے وہ توانائی حاصل ہوجاتی جس کی حالات زندگی کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے شدید ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ اب نیا حفاظتی دستہ مجھے اس ہلکی سی معصوم مسرت سے بھی محروم کرنا چاہتا تھا جو میں اپنے بیوی بچوں کو دیکھ کر حاصل کر لیا کرتا۔ پہریدار یقیناً اپنی ہدایات پر عمل کرنا چاہیں گے۔ اب کیا ہوگا؟ میرے ذہن میں اٹھنے والے اس سوال کا میں نے خود ہی جواب دیا۔ "خواہ کچھ بھی ہو لیکن میں اس مسرت سے دستکش نہیں ہوسکتا۔ میں محافظوں کی ہدایت نہیں مان سکتا،"

میں نے کھڑکی کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اس کے شیشے کو صاف کیا اور اس زاویے سے گھمادیا کہ مارگریٹ بھی باہر سے مجھے دیکھ سکے اور میں بھی اندر سے اسے دیکھ سکوں ساتھ ہی پہریداروں کی سمجھ میں بھی نہ آنے پائے۔ اس کا انحصار بڑی حد تک اس پر

تھا کہ میرے عقبی بند دروازے کو کوئی اچانک نہ کھول دے۔ ہر چار گھنٹے کے بعد پہریداروں کی ڈیوٹی بھی بدلتی رہتی تھی اس لئے مقررہ اوقات پر آنے والے پہریداروں کے انداز کو بھی ذہن نشین رکھنا ضروری تھا۔

فرسٹ لیفٹیننٹ کو شاید میرے منصوبے کا پتہ چل گیا لہذا اس نے ایک دن کہا کہ وہ میرے سیل کے دروازے میں ایک چھوٹا سا سوراخ کرانا چاہتا ہے تاکہ پہریدار وقتاً فوقتاً جھانک کر سیل کے اندر میری حرکتوں پر بھی نظر رکھ سکیں۔ اس کے بعد ہی ایک بڑھئی بلوایا گیا جس نے دروازے میں ایک سوراخ کر دیا۔ اس موقعے پر میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا اس پر ایک ٹِن لگنا چاہئے تاکہ اگر میں کپڑے اتار کر بیٹھا ہوں تو ٹِین ہٹاتے ہوئے مجھے اس کی خبر لگ جائے اور میں اپنے کپڑے ٹھیک کر لوں۔ دراصل میں خبردار ہونے کے لئے ایک بہانہ چاہتا تھا سو اس میں مجھے بڑی بڑی ردوقدح کے بعد کامیابی حاصل ہو گئی۔ لیفٹیننٹ میری تجویز مان گیا۔

اب مارگریٹ کے لئے مجھ سے ملنے کے لئے آنے میں بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ اسے خود وزیر امن عامہ کے سامنے جانا پڑتا۔ وہ اس سے طرح طرح کے سوالات کرتا اور مارگریٹ ہر سوال کا جواب دیتی۔ اگر وزیر امن عامہ اس کے جواب سے مطمئن ہو جاتا تو محض تھوڑی دیر کی محدود ملاقات کے لئے وہ اپنے دستخط سے ایک تحریری اجازت نامہ دیتا۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں تھا کہ ہر بار اجازت نامہ مل ہی جائے۔ اکثر مذکورہ وزارت کے دفتر میں گھنٹوں انتظار کے باوجود وہاں سے مایوس لوٹنا پڑتا۔ اور جب ملاقات کی اجازت ملتی بھی تو پہلے کی طرح نہیں کہ وہ بالکل قریب آجاتی یا درمیان میں تاروں کی محض ایک دیوار حائل ہوتی بلکہ اب صورت یہ تھی کہ ہم دونوں کے درمیان تاروں کی دو دیواریں حائل ہوتیں اور ان دیواروں کے درمیان تقریباً ایک گز کا فاصلہ ہوتا اور ہم میں سے ہر ایک کو اپنی دیواروں سے الگ کچھ فاصلے پر کھڑا ہونا پڑتا اس طرح ہمارے درمیان اتنی دوری ہو جاتی کہ ہم آہستہ گفتگو نہ کر پاتے چیخ چیخ کر بولنا پڑتا۔ ہم دونوں کے درمیان ایک آفیسر کھڑا رہتا جو یہ محسوس کرنے پر کہ ہم گھریلو امور سے ہٹ کر گفتگو کرنے لگے ہیں ہمیں ٹوک دیتا۔ اس طرح ایک ملاقات کے دوران وہ کئی کئی بار ٹوکتا۔ ایک پابندی یہ بھی تھی کہ ہم صرف یونانی زبان ہی میں گفتگو کر سکتے تھے۔ اپنی گفتگو میں انگریزی یا کسی اور زبان کا ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ مارگریٹ کی آمد سے پہلے وزیٹنگ روم کی اچھی طرح تلاشی لی جاتی۔ چیف گارڈز روم میں بچوں سے ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ صرف سنیچر کے دن انہیں تاروں کے جال کے پیچھے لایا جا سکتا تھا۔ مجھے اپنی بچی صوفیہ کی وہ سسکیاں ہمیشہ یاد رہیں گی جو وہ مجھے پہلے دن تاروں کے درمیان دیکھ کر بھرنے لگی تھی!

وہ بچی گھر پر ہمیشہ میری گود میں بیٹھ کر کھیلنے اور مسکرانے کی عادی رہی تھی۔ اب جو اس نے مجھے اس صورت حال میں دیکھا تو بلکنے لگی۔ پھر بسورتی ہوئی بولی "ڈیڈی میں آپ کو ٹھیک سے دیکھ نہیں پاتی۔ میں آپ کے قریب آنا چاہتی ہوں" یہ کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بالآخر اس کی ماں اسے واپس لے گئی۔

OO

دنیا بھر میں مزدوروں کے پرچم شکاگو کے شہیدوں کے خون سے سرخ ہیں

یکم مئی ساری دنیا کے مزدوروں کی بین الاقوامی یک جہتی اور اتحاد کا دن ہے یہ وہ دن ہے جب تاریخ انسانی میں پہلی بار محنت کش عوام نے سرمایہ داروں سے اپنی محنت کا معاوضہ صلاحیت کے مطابق طلب کیا تھا۔ اور اس مطالبے کے عوض مزدوروں کا سفید پرچم انکے گاڑھے خون سے سرخ ہو کر بلند ہوا تھا۔

عالمی مزدور طبقے کی جدوجہد کی تاریخ بہت پرانی ہے سرمایہ دار طبقے کے ساتھ ہی مزدور طبقے کا عالم وجود میں آنا ایک منطقی اور سائنسی عمل تھا اور جیسا کہ کارل مارکس نے کہا ہے کہ "سرمایہ داری خود اپنی قبر کو کھودتی ہوئی پیدا ہوئی ہے" مزدور طبقے کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی ان تمام تضادات کا ابھرنا بھی لازمی تھا جو پیداوار کرنے والے اور پیداوار کو اپنے تصرف میں لانے والوں کے درمیان پائی جانے والی فطری عدم آہنگی کا نتیجہ تھے۔ جیسے جیسے سرمایہ داروں کے منافع کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ویسے ویسے مزدور طبقے کے ساتھ تضادات میں بھی شدت آنے لگی مزدوروں میں یہ احساس قوی سے قوی تر ہوتا گیا کہ ان کی محنت سے ایک محدود طبقہ پھل پھول رہا ہے جس کا حقیقی عمل پیداوار میں نہ تو کوئی دخل ہے اور نہ حصہ چنانچہ مزدوروں میں اس طبقے کے خلاف بے اطمینانی اور اجتماعیت کا شعور گہرا ہوتا گیا۔

دنیا کی پہلی ٹریڈ یونین ۱۸۲۷ء میں فلاڈلفیا (امریکہ) میں بنی یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مزدوروں کے اوقات کار متعین نہیں تھے اور انہیں غلاموں کی طرح کام کرنا پڑتا تھا۔ ٹریڈ یونین ازم کی ابتدا ہونے کے کہیں ۲۹ سال بعد ۱۸۵۶ء میں آٹھ گھنٹے یومیہ کا مطالبہ منظور ہوا مگر اس کے بعد بھی سرمایہ داروں کی بے پناہ طاقت کے سبب اس قانون کا عملی طور پر اطلاق نہ ہو سکا اس زمانے میں امریکی مزدوروں کو سولہ سے اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرنا پڑتا تھا بالآخر مزدور تنظیموں نے ل کرنیشنل لیبر یونین قائم کی اور اپنے مطالبات کو ایک منظم تحریک کی شکل دی۔ مزدوروں کی ابتدائی جدوجہد کا نتیجہ سرمایہ داروں اور ان کے ریاستی حلیفوں کے تشدد کی صورت میں نکلا اور ۱۸۷۵ء میں مزدور انجمنوں کے دس کارکنوں کو پھانسی دے کر شہید کر دیا گیا وقتی طور

پر سرمایہ داروں کے تشدد سے یہ تحریک دب گئی مگر اس وقت تک مزدوروں کو طبقاتی شعور اتنا بلند ہو چکا تھا کہ وہ اپنے اصل دشمنوں کو اچھی طرح پہچان چکے تھے

اپریل ۱۸۸۶ء میں امریکہ میں مزدوروں کی جدوجہد نے پھر سے زور پکڑا شکاگو میں مزدوروں نے آٹھ گھنٹے یومیہ کا مطالبہ کرتے ہوئے ہڑتال کا آغاز کیا یہ مئی کی پہلی تاریخ تھی۔ مزدوروں کی ہڑتال نے بہت کم عرصے میں امریکہ کے تمام صنعتی اداروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۳ مئی کو مزدور جب شکاگو کی سڑکوں پر مارچ کر رہے تھے تو اس پر پولیس نے گولی چلادی بے شمار مزدور ہلاک اور زخمی ہوئے دوسرے دن ۴ مئی کو مزدوروں نے پھر جلوس نکالا اس جلوس پر بھی پولیس اور فوج نے اتنا زبردست حملہ کیا کہ گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں مزدوروں نے اپنے مطالبات کا پرچم اس لہو میں ڈبو کر سرخ کرلیا اس طرح سرخ رنگ مزدور تحریک کا نشان اور یکم مئی کو مزدور تحریک کے سنگ میل کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ آج عالمی مزدور طبقے کی تحریک بین الاقوامی میدان میں ایک اہم اور فیصلہ کن قوت کی حیثیت اختیار کر چکی ہے دنیا کی دو تہائی آبادی میں مزدور کسان راج کا سرخ پھریرا لہرا رہا ہے اور باقی ماندہ سرمایہ دار دنیا اور اس کی نوآبادیوں میں مظلوم محنت کش عوام کی جدوجہد جاری ہے۔ آج سرمایہ دار دنیا مزدور طبقے کے طاقتور ریلے سے لرزہ براندام ہے سامراجی استحصالی نظام کی عمارت جگہ جگہ سے تڑخ رہی ہے مگر ہمارا ملک پاکستان آزادی کے ۳۰ برس بعد بھی ایک ایسی جدید نوآبادیاتی ہے جہاں محنت کش عوام انتہائی تکلیف دہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد جب یہاں بڑے پیمانے پر صنعتیں لگنا شروع ہوئیں تو مزدور طبقے نے بھی اپنی تنظیمیں بنانی شروع کر دیں، ابتدائی چند برسوں میں ٹریڈ یونین ازم کا عمل بہت تیز تھا مگر ۱۹۵۴ء میں کمیونسٹ پارٹی اور اس کی ذیلی تنظیموں پر پابندی عائد کر کے محنت کش عوام کی تحریک کو بھرپور طریقے سے کچل دیا گیا۔ تقریباً یہی وہ زمانہ تھا جب ہم امریکہ سے مختلف دفاعی معاہدوں میں جکڑے جا رہے تھے، سیٹو، سینٹو اور ایسے ہی بے شمار کھلے اور خفیہ معاہدوں کے ذریعہ پاکستان کی آزادی کو امریکہ اور اس کے حلیفوں کی گروی رکھنے کے لئے ہمارے ملک کا برسر اقتدار طبقہ سودا بازی میں مصروف تھا۔

اندرون ملک سامراج کے حلیف یہ جانتے تھے کہ ان کی راہ میں مزاحمت محنت کش عوام کی ٹریڈ یونینیں اور سیاسی پارٹیاں ہی بن سکتی ہیں اس لئے ایک ایک کر کے محنت کشوں کی نمائندہ پارٹیاں اور تنظیموں کو نشانہ بنایا گیا اور پھر اکتوبر ۱۹۵۸ء میں وہی کچھ ہوا جو لاطینی امریکا اور افریقہ کے بیشتر ممالک کے ساتھ سامراجی ممالک کر رہے تھے یعنی "فوجی حکمرانوں کے ذریعہ کسی نوآزاد ترقی پذیر ملک کو جدید نوآبادیاتی نظام کی منڈی بنانا"۔

سیاست دانوں کے مقابلے میں یہ عمل فوجی حکمرانوں کے ذریعہ زیادہ آسانی سے ہو سکتا تھا۔ ایوب خان کے ارد گرد وہی لوگ جمع تھے جو ملازم تو حکومت پاکستان کے تھے مگر ان کی تنخواہیں امریکہ صاحب بہادر ادا کیا کرتا تھا چند ہی روز قبل ایک انٹرویو میں "ڈریٹائرڈ" میجر جنرل راؤ فرمان علی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں امریکہ پاکستان کی چار ڈویژن فوج کی تنخواہیں ادا کرتا تھا"۔

اس دوران مختلف شہروں میں مزدوروں نے اکا دکا چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑیں مگر ان کی تنظیمیں اس قدر منتشر تھیں کہ یہ کوئی ملک گیر تحریک کی شکل اختیار نہ کر سکیں۔ ۱۹۶۸ء میں جب ایوب خان کا اقتدار ڈانوں ڈول ہونا شروع ہوا تو مزدور بھی شہر شہر سے اپنے مطالبات کا پرچم لے کر سڑکوں پر نکل آئے اور پاکستان میں پہلی بار بڑے منظم اور بھرپور طریقے سے محنت کشوں نے اپنے مطالبات کے ساتھ ملک کی جمہوری تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس سے ایوب خان کے اقتدار کا سورج وقت سے پہلے ہی غروب ہو گیا۔

یحییٰ خان آئے ملک میں پہلی بار بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے جس میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے وہ پارٹیاں برسراقتدار آئیں جو اپنے طبقاتی کردار کے باوجود محنت کش عوام سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتی تھیں اور پھر جب یحییٰ خان اور اس کے فوجی ٹولے کو اپنا اور اپنے طبقے کا اقتدار ختم ہوتا نظر آیا تو مشرقی پاکستان کو فوج کشی کے واحد سیاسی ہتھیار سے کاٹ دیا گیا۔ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی برسراقتدار آئی اور اس نے پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار یکم مئی کو مزدور طبقے کے دن کی حیثیت سے سرکاری طور پر تسلیم کیا اس دن سرکاری تعطیل کے ساتھ ہی حکومتی پارٹی کی جانب سے جلوس نکالنے کی روایت کا آغاز بھی ہوا اگرچہ پیپلز پارٹی کے اقتدار کے ابتدائی دو سالوں میں ہی ہو سکا۔ بتدریج پیپلز پارٹی، حکومتی پارٹی بن گئی۔ اور اس کا کردار بھی برسراقتدار طبقے کی نمائندگی کرنے لگا

آج یکم مئی کا دن ملک کی سیاسی تاریخ کے ایک انتہائی اہم اور بحرانی دور میں منایا جا رہا ہے ملک میں مارشل لاء ہے عوام اور بالخصوص محنت کش عوام بے پناہ مسائل کا شکار ہیں ہر دور کی طرح آج بھی صنعت کار مارشل لاء کے ضابطوں سے فائدہ اٹھا کر چھانٹیوں اور برطرفیوں میں مصروف ہیں مزدور تنظیموں میں انتشار اور تعاون کی تحریک آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے

محنت کش طبقے پر آج دوہری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ایک طرف تو انہیں اپنے بنیادی مطالبوں پر گروہی اختلافات کو چھوڑ کر تنظیم سازی کے ساتھ ساتھ تحریک کو بھی تیز کرنا ہے اور دوسری طرف انہیں ملک کی جمہوری تحریک میں ایک وسیع تر متحدہ محاذ میں بھی ہراول دستے کا کردار ادا کرنا ہے

یہ حقیقت ہے کہ اس دوہرے کردار کو ادا کرنے کے لئے محنت کشوں کے لئے فضا پہلے سے کہیں زیادہ سازگار ہے بائیں بازو کی تنظیموں میں یہ رجحان بڑی تیزی سے پرورش پا رہا ہے کہ اگر اس وقت بھی حالات کی سنگینی کو بائیں بازو سے تعلق رکھنے والی مختلف پارٹیوں نے محسوس نہیں کیا تو انہیں ایک ایسے ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا جس کا ازالہ برسوں نہیں ہو سکے گا۔ پاکستان کی تاریخ میں آج یکم مئی کا دن جن حالات میں آ رہا ہے وہ محنت کشوں اور ان کے دوستوں کے لئے ایک تاریخی دن بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ انفرادی مہم جوئی اور ذاتی عناد کو اجتماعیت اور مزدور کسان راج کے قیام کے لئے قربان کر دیں۔

○○

عبدالمجیب خان

سامراجیوں نے غریب ملکوں پر قرضوں کے ذریعہ قبضہ کر رکھا ہے

جب بھی غیر سیاسی حکومت آتی ہے، امریکی گندم کے جہاز کراچی پہنچنے لگتے ہیں

چھٹا پنج سالہ منصوبہ تیزی کے ساتھ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے

پاکستان کی تیس سالہ تاریخ میں یہ پانچواں پنج سالہ منصوبہ ہے جو ایک غیر نمائندہ حکومت تیار کر رہی ہے۔ اس طرح پاکستان کی اقتصادی منصوبہ بندی میں غیر نمائندہ حکومتوں اور نوکر شاہی کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔ موجودہ عبوری حکومت نے گذشتہ سال ۵۔ جولائی کو نوے روز کے آپریشن پہ سرکاری مشینری کی باگ ڈور سنبھالی تھی لیکن لعد میں اس نوے روزہ آپریشن کی معیاد جب غیر معینہ مدت ہو گئی ہے۔ تو چھٹا پنج سالہ منصوبہ بھی اسی غیر نمائندہ حکومت اور نوکر شاہی کے حصے میں آگیا۔ پاکستان کی تاریخ میں اب تک جتنے منصوبے بنے ان میں سوائے پانچویں پنج سالہ منصوبے کے باقی چاروں منصوبے بھی غیر سیاسی حکومتوں اور نوکر شاہی ہی نے تیار کئے۔ صرف پانچواں پنج سالہ منصوبہ پاکستان کی تاریخ کا پہلا منصوبہ تھا۔ جسے ایک نمائندہ حکومت نے تیار کیا تھا اور اسے باقاعدہ منظوری کے لئے پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔

پہلے دوسرے، تیسرے اور چوتھے پنج سالہ منصوبے جو بالترتیب غیر نمائندہ حکومتوں کے دور میں تیار کئے گئے تھے۔ ان کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو گی کہ ان منصوبوں میں پاکستان کے ٹھوس اقتصادی ترقیاتی مفادات اور عوام کی فلاح و بہبود سے متعلق بنیادی مسائل کو نظر انداز رکھا گیا اور ان منصوبوں میں مغربی ملکوں اور خاص کر جدید نو آبادیاتی ملک اور سابقہ نو آبادیاتی ملکوں کے مخصوص مفادات کو بھرپور اہمیت اور جگہ دی گئی ان منصوبوں کے ذریعے سابقہ غیر نمائندہ حکومتوں نے پاکستان کو اقتصادی طور پر جدید امریکی نو آبادیات اور سابقہ برطانوی نو آبادیات کا مرہون منت بنا دیا۔ جس کے باعث پاکستان کی اقتصادی ترقی کا انحصار مکمل طور پر امریکہ برطانیہ اور دیگر مغربی ملکوں پر مشتمل مالیاتی اداروں کے قرضوں اور ان کے ماہرین کی رپورٹوں اور مشوروں تک محدود ہو کر رہ گئی۔

برصغیر کے مسلمانوں نے آج سے تیس سال قبل اپنے لئے جس علیحدہ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا تھا اس کی بنیاد مذہبی بھی تھی۔ لیکن اس کے اقتصادی پہلو بھی بہت نمایاں تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں کو جیسے انگریزوں نے اپنی نو آبادیاتی اقتصادی منصوبہ بندی کے ذریعے ہندوؤں کا غلام بنا دیا تھا۔ انھیں اقتصادی خوشحالی صرف ایک علیحدہ مملکت کے قیام ہی میں نظر آ رہی تھی۔ لہذا یہی وجہ تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی اقتصادی بالادستی سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے اپنے لئے ایک علیحدہ مملکت کے قیام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کا یہ خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اور آزادی کے فوراً ہی بعد نوزائیدہ مملکت کو اقتصادی طور پر سابقہ برطانوی نو آبادیات اور نئی ابھرتی ہوئی امریکن نو آبادیات کو پھلنے پھولنے نہیں دیا۔ اور اس سلسلے میں یہاں کی نوکر شاہی استحصالی قوتوں اور غیر سیاسی قوتوں نے کلیدی کردار ادا کیا جنھوں نے قیام پاکستان کے اصل مقاصد کو بھی سبوتاژ کیا اور پاکستان کو اقتصادی طور پر امریکہ اور برطانیہ کے قرضوں کی جھولی میں ڈال دیا۔

موجودہ دور کی بین الاقوامی سیاست میں جس "نئی نو آبادیات" کا تصور پیش کیا جا رہا ہے اس کی بنیاد بھی اقتصادیات پر ہے۔ سیاسی طور پر سابقہ نو آبادیاتی قوتوں کا وجود تو ختم ہو گیا ہے۔ لیکن اقتصادی طور پر آج بھی یہ مملکت ایک نئی نو آبادیات کے محکوم ہیں۔ اور اس سلسلے میں امریکہ پیش پیش ہے جس نے اپنی نئی نو آبادیات کے شکنجے عالمی بنک، ایشیائی بنک، کنسورشیم اور دیگر مالیاتی اداروں کے قرضوں کے ذریعے کس رکھے ہیں۔ اس طرح ان اداروں کے قرضوں کی بنیاد پر امریکہ اپنے اور دیگر مغربی ملکوں کے سیاسی مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ اور دوسری جانب اس کا اقتصادی تسلط بھی برقرار رہتا ہے۔ لہذا مغربی ملکوں اور ان کے مالیاتی اداروں کے قرضوں کے بوجھ تلے دبے ممالک سیاسی اور اقتصادی طور پر اپنی مرضی سے کوئی آزادانہ فیصلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی قسم کی پالیسیاں وضع کرنے میں خود مختار ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی داخلی سیاست پر بھی ان ہی ملکوں کا کنٹرول رہتا ہے۔ اور ان ملکوں میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیاں بھی مغربی ملکوں کے مفادات کے خلاف جانے کی کوشش کرتی ہے۔ تو ایسے ملکوں میں سب سے پہلے اقتصادی بحران پیدا کر دیا جاتا ہے عالمی بنک ایشیائی بنک کنسورشیم اور دیگر مالیاتی اداروں کی مالی امداد روک لی جاتی ہے۔ اور اس طرح ان ملکوں پر سیاسی دباؤ کے ساتھ بھرپور اقتصادی پریشر بھی ڈالا ہے۔ تاکہ ایسے ملکوں کی قیادت یا تو اپنے

اپنی مرضی کی پالیسیاں نہ ہوں تو مالی امداد روک لی جاتی ہے

بنیصلے اور پالیسیاں تبدیل کرے یا پھر اُسے قیادت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کے موجودہ سیاسی بحران کو خاص طور پر مدِنظر رکھا جاسکتا ہے۔ جناب بھٹو نے آزاد خارجہ پالیسی کے تحت جب سوشلسٹ ملکوں کے ساتھ اقتصادی تعلقات کو فروغ دینا شروع کیا تو مغربی ملکوں کو اپنے مفادات خطرے میں نظر آنے لگے۔ پاکستان میں اسٹیل مل کا قیام۔ چین کی مدد سے بھاری مشینوں کی تیاری کا کمپلیکس یوگوسلاویہ کی مدد سے تیل صاف کرنے کے کارخانے کا قیام' اسی طرح دیگر سوشلسٹ ملکوں کے تعاون سے شکر کھاد اور ٹریکٹر سازی وغیرہ کے کارخانوں کے قیام سے مغربی ملکوں کو اپنے سیاسی اور اقتصادی مفادات خطرے میں پڑتے نظر آنے لگے۔ اس کے علاوہ بھٹو حکومت کے دور میں مغربی ملکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے قرضوں کا سمندر بھی سمٹنا شروع ہوگیا۔ اور ان ملکوں اور اداروں کے قرضوں کی بجائے پاکستان نے برادر مسلم ملکوں کے قرضوں کو اہمیت دی۔ لہٰذا بھٹو حکومت کی ان پالیسیوں نے اس کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا مغربی ملکوں نے اپنے مخصوص مفادات کے تحت بھٹو حکومت پر ہر طرح کا سیاسی اور اقتصادی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اور ۷ مارچ کے سیاسی بحران سے ان ملکوں نے بھرپور فائدہ حاصل کیا۔ یہ سیاسی بحران پاکستان کا داخلی معاملہ تھا۔ لیکن امریکی حکومت اور دیگر مغربی ملکوں نے بھٹو حکومت کی اقتصادی امداد بند کر دی اور پاکستان کو دی جانے والی امداد کے سلسلے میں کنسورشیم کا اجلاس بھی ملتوی کر دیا گیا۔ اس طرح بھٹو حکومت کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنے کی کوشش کی تاکہ بھٹو حکومت سیاسی بحران کے ساتھ ساتھ سنگین اقتصادی بحران کا بھی شکار بن جائے۔ کیونکہ قیام پاکستان کے بعد ہی سے پاکستان کی اقتصادی منصوبہ بندی میں امریکی ماہرین نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا ہماری معیشت بھی مغربی ملکوں کی مالی امداد عالمی بنک ایشیائی بنک کنسورشیم اور دیگر مالیاتی اداروں کے قرضوں میں جکڑی ہوئی ہے اور ہم پر ان ملکوں کا مکمل تسلط قائم ہے۔

قیام پاکستان کے چند سالوں بعد ہی غیر سیاسی حکومتوں اور نوکر شاہی نے پاکستان میں مغربی ملکوں کے قرضوں اور گرانٹ کی نہریں کھول دیں۔ اور ہر پنج سالہ منصوبہ ان ہی کے قرضوں اور مالی امداد کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ سابقہ غیر سیاسی حکومتوں اور نوکر شاہی نے ہمیں آج تک کسی بھی اقتصادی شعبے میں خود کفیل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ آج ہم اربوں روپوں کے قرضوں تلے دبے ہوئے ہیں اور مزید قرضوں اور مالی امداد کے لئے ہماری نگاہیں اپنے ساہوکاروں پر رہتی ہیں ماضی کی غیر سیاسی حکومتوں نے اسی غرض سے پاکستان کے مفادات کا سودا کیا اور مغربی ملکوں خصوصاً امریکہ کے مفادات کو بالادستی بخشتی امریکی نواز پالیسیوں کو فروغ دیا اور کروڑوں ڈالر کے قرضے وصول کرتے رہے ہیں

عالمی بنک سے ملنے والے قرضے اور گرانٹ

عالمی بنک

نجی شعبہ کو فروغ دینے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لہٰذا ان میں PICIC کو ملنے والے قرضے بھی شامل ہیں جن کا مقصد پاکستان میں نجی شعبے میں سرمایہ کاری کو فروغ دینا ہے۔

سال	رقم
۱۹۶۴	۳۲۰ ملین ڈالر
۱۹۶۴	۴۷ " "
۱۹۶۶	۱۲۰ " "
۱۹۶۷	۴۵ " "
۱۹۶۹	۴۰ " "
۱۹۶۹	۲۵ " "
۱۹۷۰	۱۹،۲۰۰،۰۰۰ ڈالر
۱۹۷۱	۷۷،۲۰۰،۰۰۰ ڈالر
۱۹۷۱	۴۸ ملین ڈالر

یہ قرضے کہاں گئے؟ ان قرضوں کے ذریعے سرمایہ داری کو فروغ دیا گیا۔ غیر سیاسی حکومتوں کے دور میں چوتھے پنج سالہ منصوبے تک بائیس امیر ترین خاندان تو پیدا ہو گئے لیکن ہم گندم میں خود کفیل نہ ہو سکے۔ ضروریات زندگی کی معمولی اشیاء آج بھی ہمیں درآمد کرنی پڑرہی ہیں۔ لیکن مغربی ملکوں کے مالیاتی اداروں کے قرضوں اور امداد کی پہلی شرط ہی دراصل نجی شعبے کو فروغ دینا ہوتا ہے پہلے پنج سالہ منصوبے کے تحت پاکستان کو ۵ء۳۴۲ ۲۱۳ ملین ڈالر کی گرانٹ اور ۲۲ء۱۰۱ ملین ڈالر کے قرضے ملے جبکہ دوسرے پنج سالہ منصوبے میں ۵۶۰۰،۹۳۲ ملین ڈالر کی گرانٹ۔ اور ۸ء۱۴۸ ۲۲۲ ملین ڈالر کے قرضے وصول کئے۔ تیسرے پنج سالہ منصوبے کے دوران ملنے والی گرانٹ اور قرضوں میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ اور اس منصوبے کے دوران ۳۰ء۵۷۳ ملین ڈالر کی گرانٹ ملی اور ۹ء۲۶۳۰ ۱۸۱ ملین ڈالر کے قرضے حاصل کئے۔ چوتھے پنج سالہ منصوبے میں پاکستان کو ملنے والی گرانٹ میں کمی ہوگئی جبکہ قرضوں میں اضافہ ہوگیا۔ اور اس منصوبے کے دوران پاکستان کو ۴ء۱۲۷ ۵۶ ۳ ملین ڈالر کی گرانٹ ملی اور ۳ء۳۴ ۱۹۶۹ ملین ڈالر کے قرضے ملے۔ پانچویں پنج سالہ منصوبے کا آغاز ۱۹۷۱ء میں ہونا تھا۔ لیکن سیاسی بحران کی وجہ سے یہ منصوبہ مقررہ وقت پر تکمیل کے مراحل تک نہ پہنچ سکا۔ ملک میں مارشل لاء نافذ تھا لیکن اس دوران بھی پاکستان کو صرف ۸ء۱۰ ۷۵ ملین ڈالر کی گرانٹ اور ۷ء۱۰ ۸ ۱۹ ملین ڈالر کے قرضے دیئے گئے۔

۱۹۷۱ء کے سنگین بحران کے بعد جناب بھٹو نے ملک کا اقتدار سنبھالا۔ ملک کی معیشت مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی۔ اور خزانہ خالی ہوگیا تھا۔ طویل عرصہ تک ایک غیر نمائندہ حکومت کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو ملا تھا۔ ملک کی معیشت کی بحالی کی غرض سے ۱۹۷۳ء میں پاکستان کو ۳۵ء۷، ۱۸ ملین ڈالر کی گرانٹ اور ۲۲ء۴۵ ملین ڈالر کے قرضے فراہم کئے گئے۔ ۱۹۷۳ء میں پاکستان کا پانچواں پنج سالہ منصوبہ پہلی بار ایک منتخب حکومت نے تیار کیا۔ اس منصوبے کے دوران یعنی ۱۹۷۷ء تک پاکستان کو ۵ء۱۳۹ ملین ڈالر کی گرانٹ اور ۹ء۶۲،۹۰ ۵۸

ملین ڈالر کے قرضے ملے۔ لیکن اس دوران میں ملنے والی گرانٹ اور قرضوں کی سمت صرف مغربی ممالک اور ان کے مالیاتی ادارے ہی نہیں تھے بلکہ برادر اسلامی ممالک، خصوصاً سعودی عرب کویت اور لیبیا خصوصی ذرائع کی حیثیت رکھتے تھے۔ صرف ۱۹۷۴ء میں ایران نے پاکستان کے توازنِ ادائیگی کو درست کرنے کی غرض سے ۳۰۰ ملین ڈالر کی گرانٹ فراہم کی اسی طرح سعودی عرب کویت لیبیا اور دیگر عرب ملکوں نے بھی پاکستان کی اقتصادی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کے نتیجے میں مغربی ملکوں اور ان کے مالیاتی اداروں سے گرانٹ اور قرضوں کے سلسلے میں اقتصادی انحصار رفتہ رفتہ کم ہونے لگا

پہلے دوسرے تیسرے اور چوتھے پنج سالہ منصوبوں کے مقابلے میں، پانچویں پنج سالہ منصوبے میں ملک اقتصادیات میں استحکام اور ترقیات کا پہلو بہت زیادہ نمایاں تھا۔ گندم کی درآمد بند ہوگئی تھی اور شکر میں بھی پاکستان خود کفیل ہوگیا تھا۔ نئی نئی صنعتوں کا قیام سرکاری شعبہ میں فروغ حاصل کر رہا تھا۔ غرضیکہ پہلے چار منصوبوں کے مقابلے میں جنہیں نوکرشاہی اور غیر نمائندہ حکومتوں نے تیار کیا تھا اور جس میں مکمل طور پر مغربی ملکوں کی امداد اور قرضوں پر انحصار کیا جاتا تھا۔ اور مغربی ملکوں کی سرمایہ کاری کو نجی شعبے میں خصوصی ترجیح دی جاتی تھی۔ جس کے نتیجے میں ملک کی اسی فیصد آبادی کو نظر انداز کر دیا گیا لیکن پانچویں پنج سالہ منصوبے میں سو فیصد نہیں تو ننانوے فیصد پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام کے مفادات کو ضرور مدِ نظر رکھا گیا اور قومی معیشت کو مغربی ملکوں کی گرانٹ اور قرضوں کی بجائے خود انحصاری کی پالیسی پر ڈالنے کی کوششیں کی گئیں۔

غیر نمائندہ حکومتوں کے دور میں پاکستان کو مجموعی طور پر ۲۶۸۹٫۵۷۱ ملین ڈالر کی گرانٹ اور ۹۰۰۵۰۱۰٫۹ ملین ڈالر کے قرضے ملے۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان کی بھی اقتصادی شعبے میں خود کفیل نہ ہو سکا۔ پاکستان امریکی گندم کی منڈی بنا رہا۔ پاکستان کو اربوں روپوں کے قرضوں کے بوجھ تلے دبا دیا لیکن ملک کے عوام آج بھی بھوک، افلاس، جہالت جیسے موذی امراض میں مبتلا ہیں۔ ابھی تک ہمیں ضروریات زندگی کے کسی بھی اقتصادی شعبے میں خود کفیل نہیں ہونے دیا جا رہا ہے۔ اس کے

باقی صفحہ ۹۹ پر

سال	منصوبہ	گرانٹ (ملین ڈالر میں)	قرضے (ملین ڈالر میں)
۱۹۴۷-۴۸		—	—
۱۹۴۸-۴۹		—	—
۱۹۴۹-۵۰		—	—
۱۹۵۰-۵۱	پہلا پنج سالہ منصوبہ		
۱۹۵۱-۵۲	پہلا پنج سالہ منصوبہ		۳۰٫۴۵
۱۹۵۲-۵۳	پہلا پنج سالہ منصوبہ	۲۱۳٫۲۳۵	۱۵٫۰۰
۱۹۵۳-۵۴	پہلا پنج سالہ منصوبہ	—	۴۲٫۰۰
۱۹۵۴-۵۵	پہلا پنج سالہ منصوبہ	—	۱۳٫۷۷
۱۹۵۵-۵۶	دوسرا پنج سالہ منصوبہ	—	۶۱٫۱۸
۱۹۵۶-۵۷	دوسرا پنج سالہ منصوبہ	—	—
۱۹۵۷-۵۸	دوسرا پنج سالہ منصوبہ	۵۵۶٫۹۳۲	۹۹٫۷۶۱
۱۹۵۸-۵۹	دوسرا پنج سالہ منصوبہ	—	۳۰٫۰۸
۱۹۵۹-۶۰	دوسرا پنج سالہ منصوبہ	—	۳۳٫۱۲۷
۱۹۶۰-۶۱	تیسرا پنج سالہ منصوبہ	—	۲۰۳٫۲۷۸
۱۹۶۱-۶۲	تیسرا پنج سالہ منصوبہ	۱۵۶۳٫۳۰	۲۲۳٫۲۱۶
۱۹۶۲-۶۳	تیسرا پنج سالہ منصوبہ	—	۴۱۱٫۹۸
۱۹۶۳-۶۴	تیسرا پنج سالہ منصوبہ	—	۳۶۶٫۲۱
۱۹۶۴-۶۵	تیسرا پنج سالہ منصوبہ	—	۶۰۸٫۵۳۷
۱۹۶۵-۶۶		—	۲۲۳٫۶۶۶
۱۹۶۶-۶۷		۳۵۶٫۲۷۴	۴۲۶٫۸۷۱
۱۹۶۷-۶۸		—	۳۳۸٫۹۳
۱۹۶۸-۶۹		—	۴۳۷٫۸۲۵
۱۹۶۹-۷۰		—	۴۳۲٫۳۹
۱۹۷۰-۷۱	سیاسی بحران	۵۷٫۱۰۸	۸۱۰٫۷۱۹
۱۹۷۱-۷۲	سیاسی بحران	۱۸٫۷۳۵	۶۵٫۱۴۲
۱۹۷۲-۷۳	پانچواں پنج سالہ منصوبہ بیاسی بحران	۲۸٫۹۴	۵۰۰٫۹۹۵
۱۹۷۳-۷۴	پانچواں پنج سالہ منصوبہ بیاسی بحران	۲۹٫۹۵	۱۲۰۹٫۴۵
۱۹۷۴-۷۵	پانچواں پنج سالہ منصوبہ بیاسی بحران	۸۰٫۰۷	۱۰۶۲٫۳۱۲
۱۹۷۵-۷۶	پانچواں پنج سالہ منصوبہ بیاسی بحران	۴۲٫۵۵	۳۰۹۲٫۱۵۲
۱۹۷۶-۷۷	پانچواں پنج سالہ منصوبہ بیاسی بحران		
۱۹۷۷-۷۸	پانچواں پنج سالہ منصوبہ بیاسی بحران		

سید جعفر احمد

قومی حکومت کی حمایت کیوں؟

آجکل قومی حکومت کا بڑا شہرہ ہے اور منجملہ دیگر جماعتوں کے جماعتِ اسلامی، اس نام نہاد قومی حکومت کے قیام کے لئے کوشاں ہے بلکہ وہ تو اس کی سب سے بڑی محرک ہے۔ قومی حکومت قائم ہوتی ہے یا نہیں اور پھر قائم ہونے کے بعد اس کا کیا حشر ہوتا ہے ان سوالات سے قطع نظر یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ قومی حکومت میں شرکت کی آرزومند جماعتیں آخر کسی کے مینڈیٹ سے حکومت بنا رہی ہیں۔ قومی حکومت کا قیام تو تب ہی عمل میں آتا ہے جبکہ انتخابات میں مختلف جماعتیں کامیابی حاصل کرکے آئینی پاکسی اور بحران کے پیشِ نظر باہمی تعاون سے حکومت بنائیں۔ مگر یہاں تو انتخابات ہی نہیں ہوئے اور انتخابات سے کنی کترانے کی کوششیں جاری ہیں۔ یہاں قومی حکومت سے کیا مراد ہے۔ شاید وزارتوں کی امیدوار جماعتیں "بھٹو حکومت" کی اصلاح سے خفت محسوس کرتی ہیں۔ جبکہ مذکورہ قسم کی حکومت کے لئے بہترین اصطلاح یہی ہو سکتی ہے۔

کوثر نیازی صاحب جس طرح پیپلز پارٹی کے رہنما ہیں اسی طرح آئندہ چند روز میں قائم ہونے والی حکومت بھی "قومی حکومت" ہوگی

قومی حکومت میں تو صرف دس پندرہ وزارتیں ہوں گی اور اس سے محض چند افراد کی اقتدار کی خواہش پوری ہو سکے گی

ممکنہ قومی حکومت کے قیام سے متعلق سیاسی نکات پر گفتگو کرنے کا یہ محل نہیں ہے کیونکہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ہے اور ہیں کوثر نیازی صاحب اور سردار عبدالقیوم کی طرح اس ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتا لہٰذا اب سے سات سال پہلے کے روزنامہ جسارت کا ایک اداریہ اپنے خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ جو اس کے اس وقت کے مدیر جناب عبدالکریم عابد کے دستخط کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اداریہ کی سرخی ہے "آئیڈیالوجیکل گورنمنٹ یا نیشنل گورنمنٹ"، گویا جسارت کے خیال میں قومی حکومت نظریاتی حکومت نہیں ہوتی۔

اس اداریہ کا پس منظر یہ ہے کہ سابقہ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد یہ تجویز زیرِ بحث آئی تھی کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والی جماعتیں صدر یحییٰ کے ساتھ قومی حکومت بنائیں۔ اگر اس وقت قومی حکومت بنتی تب بھی اس کے حق میں کم از کم یہ نکات تو ہوتے کہ (۱) اس میں شامل جماعتیں بہرحال عوام سے ووٹ حاصل کر چکی تھیں۔ ۲) دوم اس وقت ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہوا تھا مگر اب جو قومی حکومت بن رہی ہے یہ عوام کی منتخبہ جماعتوں کے اشتراک سے نہیں بن رہی۔ جسارت نے ۱۹۷۱ء میں قومی حکومت کی شدید مخالفت کی تھی اس لئے کہ اگر اس کا قیام عمل میں آتا تو اس میں جماعت کی شرکت ممکن نہیں تھی۔ لہٰذا جسارت نے قومی حکومت کے خیال کو "گمراہ کن اور ضرر رساں" قرار دیا تھا اور لکھا تھا کہ قومی حکومت کے قیام سے معاشرہ کی تضاد خیالی کو کھل کھیلنے کا موقع ملے گا"۔

جسارت کا اداریہ ملاحظہ فرمائیں۔

○○

آئیڈیالوجیکل گورنمنٹ ــــ یا نیشنل گورنمنٹ؟؟

صدر یحییٰ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ مرکز اور صوبوں میں نیشنل گورنمنٹ قائم کی جائے۔ اس تجویز کا پس منظر یہ ہے کہ صدر یحییٰ ہمیشہ سے یہ محسوس کرتے رہے ہیں کہ اس ملک کا انتظام تنہا فوج کے بس کی بات نہیں بلکہ اچھا اور بہتر انتظامِ ملکی صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب فوج اور عوام ایک جان اور ایک قالب بن جائیں، وہ مل جل کر کام کریں یعنی ملک میں حالات کو ٹھیک کرنے کے لئے مارشل لاء کی سپریم قوت بھی موجود رہے اور ایک طرح کی سویلین حکومت بھی ہو، یہ نقطۂ نظر بنیادی طور پر یقیناً صحیح ہے لیکن اس نقطۂ نظر کی عملی شکل سخت گمراہ کن اور نہایت ضرر رساں بھی ہو سکتی ہے اور ہمارے خیال میں "نیشنل گورنمنٹ" کا خیال بھی ایسا ہی گمراہ کن اور ضرر رساں خیال ہے۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں ضرورت ہے آئیڈیالوجیکل گورنمنٹ کی اور مختلف مکاتیبِ خیال یا متضاد نظریات کی جماعتوں پر مشتمل نیشنل گورنمنٹ ہمارے کسی درد کا درماں نہیں بلکہ اس سے معاشرہ کی تضاد خیالی کو کھل کھیلنے کا موقع ملے گا۔ ذہنی اور عملی پراگندگی غالب آ جائے گی اور ہم جو ابھی ابھی ایک خانہ جنگی سے نکلے ہیں دوسری خانہ جنگی کی طرف چل پڑیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مرحلے پر یہ بات نہایت وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر پاکستان میں کوئی صاف سیدھی اور مضبوط آئیڈیالوجیکل گورنمنٹ قائم نہیں ہوئی تو ہم جلد یا بدیر ایک خوفناک خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہوں گے۔

پاکستان کو فی الفور ایک نظریاتی مملکت بنانا اور معاشرہ کو ایک نظریاتی اساس دینا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اب اس نظریاتی اساس کا صاف صاف اعلان ہونا چاہیئے مملکت کو اپنا مذہب اور مسلک متعین کر دینا چاہیئے اور پھر اگر سویلین گورنمنٹ کی ضرورت ہو تو وہ اس مذہب اور مسلک کی کامل مطابقت میں بننی چاہیئے، صرف یہی ایک راستہ آنے والی بربادیوں سے محفوظ رہنے کا رہ گیا ہے۔ لیکن اس کے بجائے نیشنل گورنمنٹ کا جو تصور پیش کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہر طرح کے مسلک اور نظریہ کو ماننے والے حکومت میں جمع کر لئے جائیں، اگر اس سے مقصد عہدوں اور وزارتوں کے لالچی افراد کو مطمئن کرنا ہے تو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حریص طبائع کبھی مطمئن نہیں ہوتے اور ہو بھی جائیں تو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کو ان کے اطمینان کی بھینٹ چڑھا دینا ایک المیۂ عظیم ہوگا۔

ہمیں چوں چوں طرز کے مختلف پولیٹیکل عناصر کا سیاسی مربہ بنانے سے کچھ نہیں ملے گا، بلکہ یہ ہوگا کہ ہم ان کی ذاتی نظریاتی اور سیاسی جنگ کو اپنی حکومت اپنے نظم و نسق اور اپنے عوام میں ایسا داخل کر دیں گے کہ ہر طرف تصادم ہی تصادم برپا ہوگا اور ہر جگہ ٹکراؤ کی کیفیت ہوگی اور پھر جب اس تصادم اور ٹکراؤ کے نتیجے میں "نیشنل گورنمنٹ" کے پرخچے اڑیں گے تو ملک کا صحیح اور سالم رہنا بھی دشوار تر ہو جائے گا۔

آپ خود اندازہ کر لیجئے کہ وہ حکومت جس میں کالعدم عوامی لیگ کا ذہن، نیشنل عوامی پارٹی کا طرزِ فکر، پیپلز پارٹی کی سیاست، خان قیوم کی حکمتِ عملی، دولتانہ کی روش اور پی ڈی پی کے خیالات کو یکجا کر دیا جائے، وہ حکومت قوم سے ایک مذاق نہیں ہے۔۔؟ اور ایسی حکومت قوم کی تعمیرِ نو کی بجائے ایک تخریبِ نو کا باعث نہیں ہوگی؟ اس طرح کے متضاد عناصر پر مشتمل نیشنل گورنمنٹ بنانے سے صرف یہ ہوگا کہ ہم معاشرہ کے متضاد عناصر کو جنگِ اقتدار کے لئے وسائل اور ذرائع مہیا کریں، لیکن یہ جنگِ اقتدار پاکستان کی بنیادوں پر آخری ضربِ کاری ثابت ہوگی۔ اس لئے صدر یحییٰ کو "نیشنل گورنمنٹ" بنانے کی بجائے آئیڈیالوجیکل گورنمنٹ بنانے کے مسئلہ پر سوچنا چاہیئے۔ اس آئیڈیالوجیکل گورنمنٹ میں نظریۂ پاکستان پر یقین رکھنے والی مسلح افواج کے دوش بدوش نظریۂ پاکستان پر یقین رکھنے والے سول افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ ایسی حکومت موجودہ تاریکیوں میں روشنی کی ایک کرن ہوگی اور لوگ جب یہ دیکھیں گے کہ ملک کے بنیادی اسلامی نظریہ پر یقین رکھنے والی ایک ٹیم پاکستان کی تعمیرِ نو کے کام میں مصروف ہے تو وہ خود بھی ذہنی انتشار سے نجات پائیں گے۔ اپنی آئیڈیالوجی پر ان کا ایمان اور ایقان مزید پختہ ہوگا اور وہ ہر جگہ اپنے نظریات کی آئینہ دار آئیڈیالوجیکل گورنمنٹ کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔

عبدالکریم عابد

اہل قلم۔ادیب۔شاعر۔معاشرے کی زبان ہوتے ہیں۔انتشار اور انحطاط کے شکار معاشروں میں استحصال اور سامراج کے خلاف جدوجہد کرتی قوموں میں، اپنی خودمختاری اور آزادی کی حفاظت کرتے ملکوں میں، لکھنے والے حالات کی سچی تصویر بھی کھینچتے ہیں۔وقت کی دیوار سے آگے دیکھتے بھی ہیں۔اور جبر و استبداد کی چکی میں پستے مجبور و مقہور لوگوں کو آنے والے اچھے دنوں کی بشارت بھی دیتے ہیں۔ہم یہ نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں، ادیبوں، شاعروں سے ملنے کا، ان کے محسوسات کو محسوس کرنے کا۔ یہ صورت حال کا تقاضا بھی ہے۔اور ذہنی انتشار میں مبتلا قوم کا حوصلہ بڑھانے کا ایک وسیلہ بھی

ممتاز ترقی پسند شاعرہ
فہمیدہ ریاض سے
مجاہد بریلوی کی گفتگو

ظلم و جبر کا ہر دور
زندہ ادیبوں کی نئی نسل پیدا کرتا ہے

سوال :۔ آج کے معاشرے میں کیا ادیب اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

جواب :۔ معاشرے میں ادیب کا صحیح کردار یہ ہے کہ وہ معاشرے کی اکثریت کے دلی جذبات کو زبان دے اور اپنی تحریر سے زندگی کی بہتر قدروں کی مسلسل تجدید کرتا جائے۔ اس لحاظ سے پاکستان کے معاشرے نے ادب کے میدان میں کئی سپوت پیدا کئے ہیں۔ اردو میں فیض احمد اور حبیب جالب۔ سندھی میں شیخ ایاز، ابراہیم منشی، منیر سندھی، امر جلیل اور بے شمار دوسرے لکھنے والے، بلوچی میں گل خان نصیر۔ یہ وہ چند ادیب ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں اور عمل سے ادب کو سرخرو کر دیا ہے۔ یہی چند نام آسمانِ ادب کے روشن تارے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر دور میں ایسے ادیبوں کی فوج ظفر موج بھی رہتی ہے جو ہنسی خوشی درباری مسخروں کا کردار ادا کرتے ہیں ان کی عزت دو کوڑی کی نہیں اور عوامی حقارت غیظ و غضب اور نفرت ان کا آخری مقسوم ہے۔ بہر حال اس خس و خاشاک سے پرے ہمارے دیس کی مٹی اچھے سچے اور جیتے جاگتے ادب کے لئے بڑی زرخیز ہے ظلم و جبر کا ہر دور زندہ ادیبوں کی نئی نسل پیدا کر رہا ہے۔

سوال :۔ ذہنی طور پر آج لوگ تذبذب اور انتشار کا شکار ہیں اسے ادب کے حوالے سے کیا اجتماعی طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

جواب :۔ کون کہتا ہے کہ یہ انتشار کا دور ہے ہر بات بڑی واضح اور صاف ہو کر سامنے آ رہی ہے یہ اندھیروں سے نکل کر حقیقتوں کی روشنی میں آنے کا دور ہے۔ آج کے دور میں نہایت خیال پرست لوگ تک اپنے دکھ سکھ کا ناطہ معاشرے کی معیشت اور قومی سیاست سے جوڑ توڑ کر دیکھنے پر مجبور ہیں ہماری

میں نے جو کچھ لکھا، اگر اس سے مطمئن نہیں تو شرمندہ بھی نہیں

ذلیل ترین پستی کا یہ دَور ہمیشہ قائم رہ ہی نہیں سکتا،

ـقوم نہ انتشار کا شکار ہے اور نہ تذبذب کا۔ محنت کش اور غریب طبقات اپنی بہتری کے راستے کی بخوبی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ اس طرح استحصالی گروہ اور سامراجی پٹھو طبقے بھی حالات کو خوب سمجھ رہے ہیں اور انہیں اپنے مفادات کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی اقدامات کرنے میں قطعاً تذبذب نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ادیب ان کھلی حقیقتوں کو موضوع قلم بنائے اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر انہیں بھرپور انداز میں پیش کرے نہ کہ تذبذب وغیرہ کو پیش کرے جو اس دور میں ہے ہی نہیں۔

سوال: آپ نے اس دوران جو کچھ لکھا ہے کیا اس سے مطمئن ہیں۔

جواب: میں نے اس دور میں جتنا کچھ لکھا اس سے مطمئن نہیں تو شرمندہ بھی نہیں۔ سمجھتی ہوں کہ اپنی بساط پھر کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ محض نظمیں لکھنے سے طبیعت کو تسلی نہیں ہوتی نظموں کے قاری بہت کم ہوتے ہیں۔ اس لئے اب بعد از کوشش بسیار صحافت کے میدان میں قدم رکھنے میں کامیاب ہو سکی ہوں۔ میری کوشش ہے کہ یہ ادب آرٹ اور کلچر پر ترقی پسند نقطۂ نظر کے اظہار کے لئے ایک موثر فورم بن سکے۔

سوال: تخلیقی اور پروفیشنل مصروفیات کے علاوہ کیا آپ ان دنوں کسی جذباتی مرحلے سے گذری ہیں

جواب: غالباً یہ شدید جذباتی مرحلہ کسی ایک شخص کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ ایک اجتماعی کیفیت ہے جب بعض اوقات شدید ڈپریشن محسوس ہو اور دوسرے ہی لمحے نفرت اور غصّے سے خون کھولنے لگے۔ جیسے کانوں میں کوئی کہتا ہو کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ اس نوعیت کی کیفیات نہایت تکلیف دہ اور جان لیوا بھی ہو سکتی ہیں لیکن پھر جب ہم سڑکوں پر دھوپ میں جلتے ہوئے۔ میلوں پیدل چلتے ہوئے راہگیروں کو دیکھتی ہوں تن سے ننگے اور اچھی غذا کے لئے ترستے ہوئے عورتوں اور مردوں کو دیکھتی ہوں کم سن مگر سنجیدہ اور ہوشیار نئی نسل کے بچوں کو دیکھتی ہوں تو یقین ہو جاتا ہے کہ دیس کی کی یہ ذلیل ترین پستی کا دور ہمیشہ قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ڈپریشن صرف چند ادیبوں کا نہیں۔ کروڑوں انسانوں کا مسئلہ ہے۔ اسی احساس کے سہارے ہر دن گزر جاتا ہے۔ بقول فیض

رات کا گرم لہو اور بھی بہہ جانے دو
یہی تاریکی تو ہے غازۂ رخسار سحر!

اچھے بُرے دن تو ایک قوم کی زندگی میں آتے جاتے رہتے ہیں اس سے بھی بدتر زمانے آئے تو کیا غم ہے۔ پر مسرت اور باوقار زندگی کے لئے اجتماعی اور انفرادی کوششوں کا پھل بالآخر ملتا ہے اس وقت ہمیں صرف ثابت قدمی اور اپنی بساط کے مطابق بھرپور جہد کی ضرورت ہے۔ وقتی رکاوٹوں سے گھبرانا کیسا!

جو تجھ سے عہد وفا استوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں

oo

دیوار

جب جب دیوار گرے گی
بارود کی بو پھیلے گی
دیوار کہ جس پہ لکھی ہے
اپنے جیون کی کہانی
روندے ہوئے اپنے بچپن
اپنی ویران جوانی
پل پل نیلام ہمارے
گرتے ہوئے دام ہمارے
کملائی بدن کی جوتی
رُلتے ہوئے من کے موتی
جیون کی کمائی ذلّت
آنسوؤں میں بھیگی روٹی

سب زخم جو دل پر کھائے
جو دُکھ درد کے اٹھائے
پل پل کا حساب لگا ہے
دیوار پہ سب لکھا ہے
جب جواں لہو میں نہائے
جیلوں کے اندھیرے سائے
بارود کی بو پھیلے گی
کوئی دیوار گرے گی
بارود میں سلگ رہی ہے
کیا کیا مغرور جوانی
ہنستا ہے کسی کا بچپن
لکھے گا نئی کہانی

شوخ اور چنچل لڑکیوں کو میک اپ کی بہت فکر تھی

وزارتِ دفاع
نے پھول اگانے میں پہلا انعام حاصل کیا

ڈاکٹر عالیہ امام، اسلام آباد کے خیر سگالی کے دورے پر

راولپنڈی، اسلام آباد اپریل کے مہینے میں جون جولائی کی سی گرمی کی لپیٹ میں ہے۔ ایک دم شدید سردی کے بعد گرمی کی تپتی ہوئی دوپہر نے پریشان کر رکھا ہے۔ مگر کیا کیجئے شہر کے زندہ دل لوگوں کا۔ جو موسم کی مہربانیوں سے گھبراتے نہیں۔ بلکہ شہر کے حساس لوگوں کو مل بیٹھنے کی دعوت دے ڈالتے ہیں۔

جمہوریہ عراق کا "نیشنل ڈے" تھا۔ اور اس مرتبہ روایت ٹوٹ گئی۔ شہر کے فیشن ایبل ہوٹل میں استقبالیہ دینے کے بجائے پاکستان میں عراق کے سفیر احمد ال گیلانی نے اپنی رہائش گاہ پر ہی استقبالیے کا اہتمام کیا۔ کوٹھی رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ اور مختلف ممالک کے سفارتی نمائندوں کے علاوہ مقامی معززین میں سے کوئی قابلِ ذکر ہستی نہیں تھی البتہ کراچی کی ڈاکٹر عالیہ امام تقریب میں مہمان خصوصی کا سہرا سجائے نظر آئیں۔ آجکل وہ اسلام آباد میں اپنے بھائی کے ہاں خیر سگالی کے دورے پر آئی ہوئی ہیں۔ عراقی سفیر کا استقبالیہ ان کے لئے ایک بہانہ بن گیا۔ گنے چنے جرنلسٹ اپنی بیگمات کے ہمراہ یہاں موجود تھے۔ اور ہم لوگوں نے ان کا تعارف کرا کے نیکی کے دریا میں پتھر پھینک دیا۔! سید نجی اللہ کی بیوی خواتین کے لئے خاص طور پر زیرِ بحث رہیں۔ ہماری ایک صحافی دوست نے خدشہ ظاہر کیا کہ "وہ انکی تیسری یا چوتھی بیوی ہونگی" ادھر بیرا بار بار ریبون اپ اور کوک کی ٹرے سامنے لے آتا۔ خواتین نے آواز لگائی بھئی چکن ڈش لے آؤ۔ اسی دوران یہ انکشاف ہوا کہ اس استقبالئے کے لئے صرف تیس مرغ لائے گئے تھے خواتین زیرِ لب مسکرادیں۔ اس کے بعد کسی نے بیرے کو چکن ڈش لانے کے لئے نہیں کہا۔

اسلام آباد میں "اپوا اور دستوں" کے مینا بازار کے بعد راولپنڈی میں مال روڈ سے ملحقہ سپورٹس سٹیڈیم میں راولپنڈی کی اپوا شاخ نے مینا بازار لگایا۔ ناصرہ کیانی نے خاص انتظام کیا۔ مختلف دستکاریوں کے اسٹال سجائے گئے تھے۔ کھانے پینے کے اسٹالوں کی نسبت کولڈ ڈرنکس کے اسٹالوں پر رش زیادہ تھا۔ دھوپ کی تمازت نے مینا بازار کی شائقین خواتین کو نڈھال کر دیا تھا۔ رنگ برنگی میکسیوں، ساڑھیوں اور شلوار قمیض میں ملبوس شوخ اور چنچل لڑکیوں کو اپنے میک اپ کی بہت فکر تھی۔ کہ پسینے کی دھاریوں نے چہروں پر ڈبلٹے بنا دیئے تھے۔ بار بار آئینہ پرس سے نکال کر وہ پف کی تہہ جماتی دکھائی دیں۔ بہرحال مینا بازار حسب روایت شام کو اختتام پذیر ہوا۔

اسلام آباد شہر جو پھولوں کا شہر بھی کہلاتا ہے یہاں ہر سال "روز اور جاسمین گارڈن" میں "روز فیسٹیول" کا انعقاد ہوتا ہے، اس خوبصورت "گلاب میلہ" کا سہرا سی ڈی اے کے سر ہے جو ہارٹیکلچرل سوسائٹی کے تعاون سے اس کا اہتمام کرتا ہے۔ روز گارڈن میں گلاب و چنبیلی کی ہزاروں قسمیں موجود ہیں، اس فیسٹیول کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ شہر کے رہنے والے باذوق حضرات جو اپنے گھروں میں جدت کا رنگ بھر کر باغبانی کا شوق پورا کرتے ہیں، گلاب میلے کے مقابلے میں شریک ہوتے ہیں۔ اور انعام حاصل کرتے ہیں اس مرتبہ دسویں گلاب میلے کے اختتام پر نیشنل ہارٹیکلچرل سوسائٹی آف پاکستان کے صدر فتح علی نے مقابلے میں اوّل دوم اور سوم آنے والوں میں انعامات تقسیم کئے، اپنی تقریر میں انہوں نے اسلام آباد کے "گلستان گلاب و یاسمین" میں موسمی پھولوں کی سہ روزہ دسویں سالانہ نمائش اور کل پاکستان "ساتواں جشن گلاب کے خاتمے پر مقابلے کے شائقین حضرات کی دلچسپی اور شوق کو سراہا، اس موقع پر ہارٹیکلچرل سوسائٹی کے اعزازی سکریٹری انعام الحق نے یہ اعلان کیا کہ اسلام آباد کے سیکٹر شالیمار۔ ۹ میں مجوزہ مرکزی پارک تعمیر کیا جائے گا جس کا نام قائد اعظم پارک ہوگا۔ فتح علی نے انہیں یقین دلایا۔ کہ کراچی سوسائٹی قائداعظم پارک منصوبے کے لئے ہر ممکن معاونت کریگی۔

اس میلے میں وزارت دفاع نے پھول اگانے والوں میں پہلا انعام حاصل کیا۔ جبکہ سی ڈی اے کو دوسرے انعام کا مستحق قرار دیا گیا، باغات کے لئے چیلنج کپ ای ایم ای آفیسرز میس نے جیتا، پاکستان ٹی وی نے سی پی چیلنج کپ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ متعدد گھریلو خواتین نے انعامات جیتے۔

○○

Message

بقیہ جات

بقیہ ۔ کوئٹہ

سے کوئی تعلق نہیں اور وہ بلوچ رہنما اور لیڈر جو کنونشن کے آخری دن خصوصی تقاریر کرتے تھے اور جنہیں طلبا شوق سے سنتے تھے کنونشن میں مدعو نہیں کئے گئے اور اب این ڈی پی کے رہنماؤں کی اپیلیں رد کرنا بھی اپنی جگہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور طلبا اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کسی کی مرضی پر نہیں چلتے بلکہ خود مختار ہیں اور جو بھی شخص اپنے پرانے نظریات چھوڑے گا وہ بلوچ رہنماؤں کی ہمدردی سے محروم ہوجائیگا۔

خضدار سے حبشی مجاہد اپنی خصوصی رپورٹ میں لکھتے ہیں خضدار کے سانحے کی تحقیقات ڈپٹی کمشنر خضدار اور کرنل اسلم کی سربراہی میں ایک کمیٹی نے شروع کردی ہے اور انتظامیہ کی جانب سے زخمیوں اور فائرنگ سے ہلاک ہونے والے اکبر کے پسماندگان کو معاوضہ ادا کردیا گیا، مگر بی ایس او کے حامی طلبہ کا احتجاج جاری ہے۔ طلبہ کا مطالبہ ہے کہ بی ایس او کے نائب صدر محمد خان مینگل اور حبیب اللہ بلوچ کو بھی رہا کیا جائے جنہیں انتظامیہ نے کسی بھی صورت میں رہا کرنے سے انکار کردیا۔ ۲۵ اپریل کو میر غوث بخش بزنجو نے زخمی طالب علموں کے گھروں میں جاکر تعزیت کی اور طلبہ کو یقین دلایا کہ وہ خضدار سانحے کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کے سلسلے میں اعلیٰ حکام سے بات کریں گے،

بقیہ :۔ تبصرے

برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی نمائندہ سیاسی حکومتوں نے معیشت کے ہر شعبے میں زبردست کامیابی حاصل کرلی ہے آج ہندوستان میں صنعتوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ لیکن پاکستان کی غیر سیاسی حکومتوں اور نوکر شاہی نے ملک کی اقتصادیات میں ہمیشہ مغربی ملکوں اور خصوصاً امریکی مفادات کو استحکام بخشا پاکستان میں جب بھی غیر حکومتیں آتی ہیں امریکی گندم کے جہاز دھڑا دھڑ کراچی کی بندرگاہ پر پہنچنا شروع ہوجاتے ہیں اور اس کی اطلاع فخریہ طور پر عوام کو دی جاتی ہے اس کے علاوہ امریکی سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کی درآمد پر ڈیوٹی بھی ختم کردی جاتی ہے تاکہ پاکستان کی اسی فیصد آبادی امریکی گندم کھائے اور امریکی سیکنڈ ہینڈ کپڑے پہنے اور امریکہ کو دعائیں دیں۔

پاکستان کی اقتصادیات میں غیر سیاسی حکومتوں اور نوکر شاہی نے عالمی بنک کے ماہرین کے مشورے پر تربیلا ڈیم کا ناسور بھی لگادیا ہے۔ تربیلا ڈیم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس سے پاکستان کی معیشت کو زبردست فائدہ پہنچے گا اور ایسے ایشیا کا سب سے بڑا ڈیم بھی بتایا جاتا ہے۔ لیکن گذشتہ دس سال سے یہ ڈیم تکمیل کے آخری مراحل ہی طے کررہا ہے۔ بلکہ ڈیم ابھی تکمیل کے مراحل ہی میں ہے کہ نقائص پیدا ہونے شروع ہوگئے ہیں اب تک یہ ڈیم تقریباً ۸۰ملین ڈالر کی گرانٹ ہضم کرچکا ہے جو اس کی تعمیر کے سلسلے میں عالمی بنک امداد کنسورشیم نے دی تھی۔ لیکن پاکستان کی معیشت کو اس ڈیم سے ابھی تک کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے۔ بلکہ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ تربیلا ڈیم کی وجہ سے پاکستان زرعی معیشت میں کبھی خود کفیل نہیں ہوسکے گا اور اس کی وجہ سے پاکستان کی معیشت ہمیشہ متاثر رہے گی

اب چھٹا پنج سالہ منصوبہ بھی ایک غیر نمائندہ حکومت تیار کررہی ہے۔ اس سلسلے میں امریکی اقتصادی ماہرین پاکستان پہنچ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہارورڈ گروپ جسے تیسری دنیا کا اقتصادی ترقی کا دشمن سمجھا جاتا ہے اس کے ماہرین بھی پاکستان کی اقتصادی منصوبہ بندی میں مشورے دے رہے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کی اقتصادیات میں مغربی ملکوں کے مفادات کو بھرپور ترجیح دی جائے گی برطانوی وزیراعظم نے اپنے حالیہ دورۂ پاکستان کے دوران پاکستان کو دو کروڑ پونڈ کی گرانٹ دینے کا پہلے ہی اعلان کردیا ہے۔ اس کے علاوہ کنسورشیم نے بھی چار کروڑ ڈالر کی امداد کا اعلان کیا ہے۔ مغربی ملکوں کی گرانٹ اور قرضوں کی نہریں جو گذشتہ چند سالوں سے سوکھتی جارہی تھیں، اب پھر بہنا شروع ہوجائیں گی۔

بقیہ :۔ ایڈیٹر کا صفحہ

نہیں پہنچاتی ہے۔ آج امریکہ سب سے سچے اور کھرے کمیونسٹ چین کے ساتھ دوستی بڑھا رہا ہے، آج دو کمیونسٹ ممالک میں اس قدر ٹھنی ہوئی ہے کہ اتنی کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ بلاکوں میں بھی نہیں ٹھنی تھی پھر کمیونزم کا ہوا کھڑا کرکے امریکہ سے ہم کچھ نہیں لے سکے، امریکہ کے گماشتے ہمیں کیا دے سکیں گے۔

آج ۲۴ سال بعد دنیا کی تقسیم کسی اور طرح کی ہے آج پھر کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ کا ہوا کھڑا کرکے نہ پاکستان کی خدمت ہوسکتی ہے، نہ اسلام کی۔ اور نہ اس سے عوام کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔ عوام کو اس ملک میں دو بار اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع ملا ہے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے مخالفین کو یکسر مسترد کیا ہے۔ رجعت پسند اور کٹھ ملائیت کے علمبرداروں کو ٹھکرایا ہے۔ جن لوگوں کو انہوں نے منتخب کیا، وہ ترقی پسند تھے، سوشلزم ان کے منشور میں تھا، وہ کمیونزم کا ہوا نہیں کھڑا کرتے تھے اب بھی جب کبھی عوام کو رائے ظاہر کرنے کا موقع ملیگا وہ انہی لوگوں کو منتخب کریں گے، عوام یہ موقع ضرور حاصل کریں گے کیونکہ اب ۱۹۷۸ء ہے۔ ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۸ء یا ۱۹۶۲ء نہیں ہے۔

اگر بعض لوگوں کی سوچ ۲۴ سال پہلے رک گئی ہے۔ ان کی گھڑی کی سوئیاں ۲۰ سال پہلے رک گئی تھیں، تو اس کی ذمہ داری عوام پر نہیں ہے، عوام ۱۹۶۸ء سے مسلسل جدوجہد کررہے ہیں۔ آزادی تحریر کے لئے، آزادی تقریر کے لئے اپنے حقوق کے لئے۔ اس جدوجہد نے ان کے شعور کو روشن کیا ہے۔ ان کے ذہن کو جلا دی ہے، سوچ کو آگے کی سمت دی ہے، چند لوگوں کی رجعت پسندی کروڑوں کو پیچھے نہیں دھکیل سکتی۔

اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنی خواہشات کو ٹھونسنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام اگر مکمل ضابطۂ حیات ہے اور قیامت تک کے لئے آیا ہے، تو اس میں ارتقا اور اجتہاد کی گنجائش

دکھی گئی ہے، اس لئے یہ انسان کو آگے لے جانے والا راستہ ہے۔ اگر یہ پیچھے لے جانے والا ہوتا تو اسکے ماننے والے بڑھنے کی بجائے گھٹ جاتے۔

بقیہ آزاد کشمیر

کانفرنس میں جوابی مظاہروں میں ضلع بھر سے صرف ۳۰ آدمی شرکت کر سکے۔ رائے عامہ کو دیکھ کر بعد میں اس گروہ نے خود ہی جوابی مظاہروں کا سلسلہ بند کر دیا۔

اس کا پس منظر یہ بتایا جاتا ہے کہ سردار قیوم کے دور حکومت کا بھی محاسبہ ہو رہا تھا۔ لیکن حکومت وقت کی حمایت کرنے کا فیصلہ اس محاسبے سے بچاؤ کا راستہ تلاش کرنا تھا۔ حکومت ان کے خلاف اب محاسبہ کریگی یا نہیں یہ تو وقت ہی بتلائے گا۔ البتہ سردار قیوم کے دور حکومت کی جن بدعنوانیوں کی تحقیقات ہو رہی تھی۔ اس کی جھلکیاں قارئین کرام بھی دیکھ لیں۔

بقیہ:۔ مارشل لاء

سختی سے عمل بھی ہونا چاہیئے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ انہیں اس طرح برطرف کیا جائے کہ وہ ساری عمر کے لئے شہید بنے رہیں۔ اگر کارروائی ضابطے کے مطابق کی جائے، ان پر باقاعدہ فرد الزامات عائد کر کے انہیں صفائی کا موقع دیا جائے اور پھر وہ سزا کے مستوجب ٹھہریں تو پھر وہ عمر بھر کے لئے شہید نہیں بنیں گے اور نہ لوگ ان سے غیر ضروری ہمدردیاں جتائیں گے۔

پاکستان ایک غریب ملک ہے یہاں HAVE اور HAVE-NOTS کی شدید تفریق ہے۔ اقتصادی بدحالی کا ڈر عوام کے ذہنوں پر چھایا رہتا ہے۔ پاکستان کا دانشور طبقہ بیشتر مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے اپنی تعلیم کے بعد سے پیشہ ورانہ کیریئر یا ملازمتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مارشل لاء نے اس طبقے کو ہمیشہ لقمۂ تر سمجھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس ملک کے بہت سے دانشور روز اول ہی سے مارشل لاء کے شریک کار ہو گئے تھے۔ مارشل لاء کو ان کی ذہانت اور صلاحیتوں سے کیا فائدہ پہنچا؟ یہ سوال اپنی جگہ ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اس خرید و فروخت میں ایک بڑی غلط روایت کی داغ بیل ڈالی گئی، یعنی پڑھے لکھے طبقے کے وہ لوگ جو حکومت وقت کے ساتھ ہیں ان پر انعامات کی بارش کی جا سکتی ہے اور وہ جو ان کے ہم نوا نہیں ہیں ان پر رزق کے دروازے بند کئے جا سکتے ہیں۔

مارشل لاء کے دور کی یہ روایت ملک کی ذہنی فضا کے لئے اس قدر مسموم ہے کہ اسے جس قدر جلد ختم کیا جا سکے اسی قدر بہتر ہوگا۔ اگر انہیں لقمۂ تر سمجھ کر ہی استعمال کیا جائے تو یہ لوگ حکومت اور معاشرے کی ذہنی رہنمائی کے قابل نہیں رہتے۔

پاکستان میں مارشل لاء کے دور میں ایک اور روایت نے جڑ پکڑی، جسے میں بہتر الفاظ کی غیر موجودگی میں PERSONALITY CULT کا نام دوں گا۔ شخصیت پرستی کا یہ رواج معاشرے میں کوئی صحت مند فضا پیدا نہیں کرتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے تمام ذرائع ابلاغ، ریڈیو، اخبار، ٹیلی ویژن، ایک انسان کو، جو کل تک فوجی وردی میں ایک سپاہی کے فرائض انجام دے رہا تھا، ایسے خدوخال بخشنے لگتے ہیں کہ اس پر مافوق البشر ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک عام شہری کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اگر یہ شخصیت نہ رہی تو خدانخواستہ پاکستان کا خاتمہ ہو جائے گا اور کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ پاکستان کا سیاسی قبرستان ایسے جنازوں سے پٹا پڑا ہے جن کی سیاسی زندگی میں ہمیشہ یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے بغیر پاکستان زندہ نہ رہ سکے گا۔ شخصیتیں تو خیر آنی جانی چیز ہیں، لیکن اس سارے عمل سے ذرائع ابلاغ کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے اور جب اس "مافوق البشر" شخصیت کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے تو عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوتا کے پاؤں تو مٹی کے تھے۔ اس سیاسی شخصیت کی تعمیر و تخریب میں سب سے زیادہ نقصان ذرائع ابلاغ، یعنی اخبار، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا ہوتا ہے کیونکہ عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان بے چاروں کا تو کام ہی یہی ہے ان کی بات پر کیوں اعتبار کیا جائے۔

پاکستانی سیاست کا باب دلچسپ ضرور ہے مگر طویل ہے۔ مختصراً یہ عرض کروں گا کہ پاکستانی سیاست پر یہ اعتراض کہ مارشل لاء سے پہلے ہماری سیاست غیر صحت مند خطوط پر چل رہی تھی، درست ہے، یہ حرف گیری بھی بجا ہے کہ سیاست دان غیر نمائندہ تھے، آئے روز پارٹیاں بدلتے رہتے تھے، سیاسی رشوت ستانی ہوتی تھی، کسی کو مربعے اور کسی کو پرمٹ دیئے جاتے تھے۔ اسمبلیوں کے ممبر ملکی خدمت کی بجائے نونقد نہ تیرہ ادھار کا حساب کرتے تھے اور حکومت اور حزب مخالف کے کیمپوں کے درمیان ممبروں کو توڑنے اور ممبروں کو روکنے کی دوڑ جاری رہتی تھی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ مارشل لاء نے اس صورت حال کا کیا علاج کیا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ابتدا میں سیاسی عمل سے "الرجک" تھے۔ لیکن جونہی مارشل لاء کا بخار اترا تو انہوں نے ملکی سیاست کا وہی پرانا رویہ اختیار کر لیا اور سیاسی کاسہ لیسوں کا ایک پورا غول ان کے اردگرد چھا گیا۔ انہوں نے سیاست کی پرانی بوتلوں پر نئے لیبل لگا کر سیاسی ارتقاء کو مفلوج کر دیا اور وہ ساری علتیں جن کو دور کرنے کے لئے انہوں نے مارشل لاء لگایا تھا ان کے عہد میں زیادہ زور شور سے جاری رہیں۔ نقصان یہ ہوا کہ سیاست کا وہ جمہوری عمل جو اپنی تطہیر خود کرتا ہے جاری نہ رہ سکا۔

آج بھی بعض لوگ، جن کا ذہن آمریت کی طرف مائل رہتا ہے، یہ سوچتے ہیں کہ تیسری دنیا کے اکثر ممالک جمہوریت کے اہل نہیں، یہاں پہلے مسائل حل ہونے چاہئیں۔ پھر جمہوریت کو فروغ ہوگا۔ ان کی خدمت میں یہ عرض کر دینا چاہیئے کہ مسائل حل کرنے کے بعد جمہوریت انعام کے طور پر نہیں ملا کرتی۔ جمہوریت تو ان ہی مسائل کو حل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ جمہوری عمل کا راستہ لمبا اور صبر آزما ضرور ہوتا ہے، مگر مارشل لاء کے تجربے نے بار بار یہی ثابت کیا ہے کہ راہ راست یہی ہے۔

(یہ تقریر پنجاب کے گورنر جناب صادق حسین قریشی کی صدارت میں ۴ جنوری ۱۹۷۵ء کو کی گئی)

بڑے شہروں میں

"معیار" کے تقسیم کنندگان

مندرجہ ذیل شہروں میں "معیار" ہمارے ان نیوز ایجنٹ حضرات کے ہاں دستیاب ہے۔ پرچہ گھر پر پہنچانے کا انتظام بھی ہے۔ پرچے کے حصول میں دقت ہو تو اِن حضرات سے رابطہ قائم کیجئے۔ مزید دقت ہو تو ہمیں براہ راست لکھئے۔

ہفت روزہ "معیار" پوسٹ بکس ۳۱۹۵، کراچی ۲۹۔

پشاور
بزنس کمیٹی چوک یادگار

کراچی
فاروق نیوز ایجنسیز، ریگل چوک۔

لاہور
خان نیوز ایجنسی
ہسپتال روڈ

راولپنڈی
افضل نیوز ایجنسی
ڈی اے وی کالج روڈ۔

کوئٹہ
میسرز گوشۂ ادب
سرکلر روڈ۔

ملتان
ملک نیوز ایجنسی
ملک پلازہ۔ عظمت واسطی روڈ

لائلپور
محمد اسحاق نیوز پیپر ایجنٹ
کچہری بازار

حیدرآباد
میسرز سلیمان برادرز
نیوز پیپر ایجنٹ

سکھر
حسینی بک ڈپو
گھنٹہ گھر

میرپور خاص
سندھ کتاب گھر
اسٹیشن چوک

لاڑکانہ
پاکستان بک ڈپو

سیالکوٹ
ملک اینڈ سنز
نیوز پیپر ایجنٹ

سرگودھا
میسرز اسٹینڈرڈ بک سٹال

بہاولپور
کیپٹل نیوز ایجنسی

بدین
غفور نیوز ایجنسی

جہلم
بٹ نیوز ایجنسیز

گوجرانوالہ
ذوالفقار احمد صحرائی
نیوز پیپر ایجنٹ

رحیم یار خان
چوہدری امانت علی
نیوز پیپر ایجنٹ

خیرپور
مکتبہ حیدری
حسینی چوک

بھکر (ضلع میانوالی)
ذاکر حسین نیوز ایجنٹ

گلگت
پیرزادہ محمد حسین شاہ
نیوز پیپر ایجنٹ

ڈیرہ اسماعیلخان
راجہ برادرز
نیوز ایجنٹ

گجرات
نذر نیوز ایجنسی
اقبال گنج

منڈی بہاؤالدین
ملت نیوز ایجنسی

ٹھٹھہ
شمس بک سٹال

مانسہرہ
بلال نیوز ایجنسی

خانیوال
کتب خانہ صدیقیہ
کچہری بازار

ڈیرہ غازیخان
شمیم نیوز ایجنسی

سانگھڑ
ہمدرد لائبریری

جھنگ
شیخ محمد حسین
نیوز ایجنٹ

کیمبل پور
خزینۂ علم و ادب
نیوز پیپر ایجنٹ

ڈڈیال (آزاد کشمیر)
راجہ فضل الرحمٰن
نیوز ایجنٹ

چمن
نشاط نیوز ایجنسی

سامارو (ضلع تھرپارکر)
شوقین نیوز ایجنسی

اسکردو (بلتستان)
رسول جو حسن جو
نیوز پیپر ایجنٹ

اوتھل (ضلع لسبیلہ)
شاہد نیوز ایجنسی

وہاڑی (ملتان)
وہاڑی نیوز ایجنٹ

میرپور (آزاد کشمیر)
اعظم نیوز ایجنسی

ایبٹ آباد
پاکستان نیوز ایجنسی

Weekly MEYAAR Karachi
Regd. No. 3052
Tel : 435673
AN ILLUSTRATED WEEKLY OF UNITED PUBLICATIONS LTD.

اندرا - بھٹو

خفیہ معاہدہ

حکومتِ پاکستان
جواب دے!